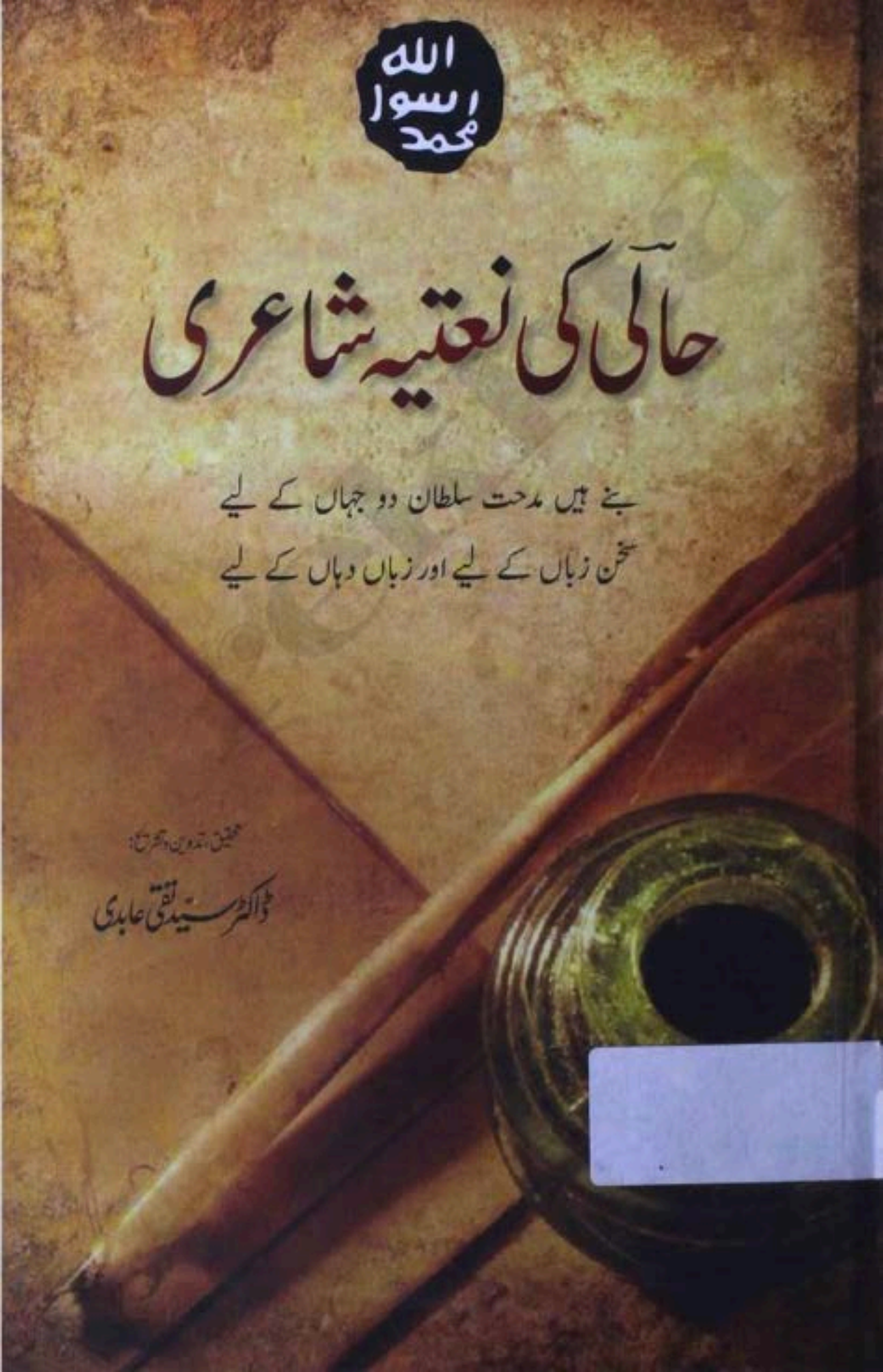

الله
رسول
محمد

حالی کی نعتیہ شاعری

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لیے
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

تحقیق، تدوین و شرح:

ڈاکٹر سید تقی عابدی

حالی کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

بُک کارنر
جہلم، پاکستان

Hali ki Natiya Shayari
by Dr. Syed Taqi Abedi
Jhelum: Book Corner. 2020
160p.
1. Islam - Poetry - Urdu Literature
ISBN: 978-969-662-226-0

© جُملہ حُقوق محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ/تصاویر ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی بھی وضع یا جلد میں
کُلّی یا جُزوی، منتخب یا مکرر اشاعت یا بصورت فوٹو کاپی، ریکارڈنگ، الیکٹرانک،
میکینیکل یا ویب سائٹ اَپ لوڈنگ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

مہتمِ اعلیٰ: شاھد حمیؒد

ناشر: گگن شاھِد • اَمر شاھِد

اشاعت: جنوری ۲۰۲۰ء
تحقیق، تدوین وتشریح: ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
حروف خوانی: حافظ ناصر محمود
سرورق: ابواِمامہ
مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

Sale Center:
Book Corner Showroom
Opposite Iqbal Library, Book Street, Jhelum, Pakistan
00 92 544 278051 00 92 314 4440882
bookcornershowroom bookcornerjhelum
info@bookcorner.com.pk www.bookcorner.com.pk

رو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا)
		ایم ایس (برطانیہ)
		ایف سی اے پی (امریکہ)
		ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری، ادبی تحقیق وتنقید
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک، کینیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا)
		دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف:

61 شہید، 1982 جوشِ مودّت، گلشنِ رویا، اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاؔ، رموز شاعری، اظہارِ حق، مجتہد نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر، سلکِ سلام دبیر، تجزیہ یادگار انیسؔ، ابواب المصائب، ذکر دُرباران، عروسِ سخن، مصحف فارسی دبیر، مثنویات دبیر، کائنات نجمؔ، روپ کنور کماری، دُربار رسالت ﷺ، فکر مطمئنہ، خوشۂ انجم، دُرِدریائے نجف، تاثیر ماتم، نجمی مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل، ھوالنجم، تعشّق لکھنوی، ادبی معجزہ، غالبؔ دیوان نعت ومنقبت، چوں مرگ آید، رباعیات دبیرؔ، سبدِ سخن، دیوان غالبؔ فارسی، فیضِ فہمی، مطالعہ دبیرؔ کی روایت، اُردو کی دو شاہکار نظمیں، رباعیات رشیدؔ لکھنوی، کلیات سعید شہیدیؔ، فیضؔ شناسی، حالیؔ فہمی، مسدس حالیؔ، کلیات حالیؔ، بچوں کے حالیؔ، رباعیات حالیؔ، حالیؔ کی نعتیہ شاعری، حالیؔ کی نظمیں، قطعات حالیؔ، حالیؔ کے قصیدے اور حالیؔ کے شخصی مرثیے، دیوان سلامؔ وکلامِ انیسؔ، رباعیات انیسؔ، امجدؔ فہمی، گلزارؔ کی تخلیقی صنف ''ترویٰنی''۔

زیرِ تالیف:

تجزیۂ شکوہ جواب شکوہ، فانیؔ لافانیؔ، تجزیہ رباعیات فراقؔ گورکھپوری، اقبالؔ کے چار مصرعے، رباعیات بیدلؔ۔

Dr. Syed Taqi Abedi
1110, Secretariate Rd. New Market, ON
L3X 1M4 Canada

Dr. Syed Taqi Abedi

شجرہ مولانا حالیؔ

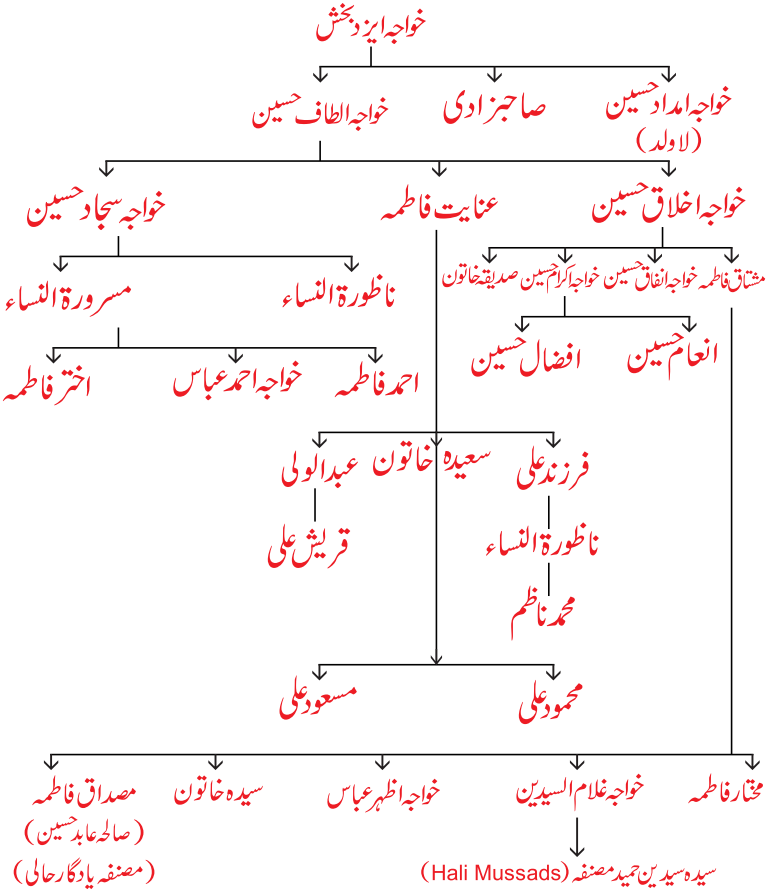

اس شجرے کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالی کے دونوں بیٹوں خواجہ اخلاق حسین اور خواجہ سجاد حسین کی اولاد نے اُردو کو عمدہ ادیب نقاد افسانہ نگار اور ماہرین تعلیم دیے۔ خواجہ اخلاق حسین کے نواسے اور نواسی خواجہ غلام السیدین مصنف آندھی میں چراغ، صالحہ عابد حسین مصنفہ یادگار حالی، خواجہ غلام السیدین کی بیٹی سیدہ سیدین حمید اور خواجہ سجاد حسین کی بیٹی کے بیٹے خواجہ احمد عباس ہماری گفتگو کا ثبوت ہیں۔

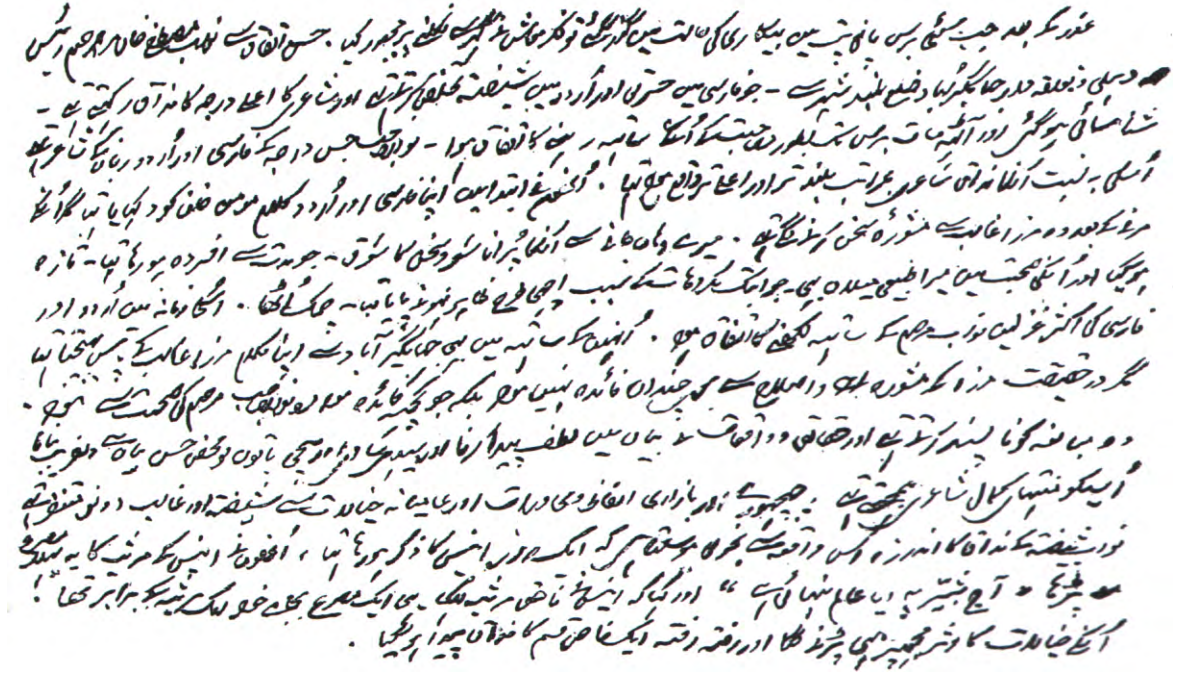

عکس تحریر مولانا حالی مرحوم

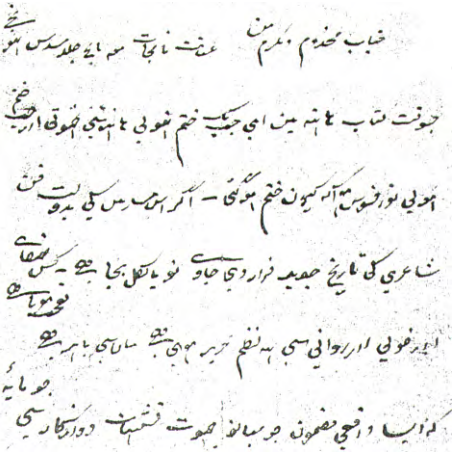

عکس مکتوب سرسید بنام مولانا حالی

سرسید احمد خان کا خط حالؔی کے نام

جناب مخدوم ومکرم من!

عنایت نامجات مع پانچ جلد مسدس پہنچے۔ جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی، جب تک ختم نہ ہوئی، ہاتھ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہوگئی اگر اس مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ہے۔ کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ، جھوٹ، تشبیہاتِ دور از کار سے، جو مایہ ناز شعرا و شاعری ہے، بالکل مبرا ہے، کیونکر ایسی خوبی و خوش بیانی اور موثر طریقے پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جا سکتے۔ حق ہے، جو دل سے نکلتی ہے، دل میں بیٹھتی ہے۔ (دیباچے کی) نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ہے۔ (نظم میں) پرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے اُڑایا ہے یا ادا کیا ہے۔ میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اُس کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہوں اگر پرانی شاعری کی کچھ بو اس (کتاب) میں پائی جاتی ہے تو صرف اُنہی الفاظ میں ہے جن میں میری طرف اشارہ ہے۔ بے شک میں اس (نظم) کا محرک ہوا اور اُس کو میں اپنے اُن اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب (قیامت میں) خدا (مجھ سے) پوچھے گا کہ تو (اعمال میں سے) کیا لایا؟ میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں، اور کچھ نہیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے۔ مسجدوں کے اماموں کو چاہیے کہ نمازوں میں اور خطبوں میں اسی کے بند پڑھا کریں۔ آپ نے یہ نہیں ارقام فرمایا کہ کس قدر کتابیں چھپی ہیں اور کیا لاگت لگی ہے اور فی کتاب کیا قیمت مقرر کی ہے۔ نہایت جلد آپ ان جملہ امور سے مجھے مطلع فرمائیے۔ یہ بھی لکھیے کہ بعد تقسیم یا فروخت کس قدر کتابیں اب تک موجود ہیں.....

آپ کے اس خیال کا کہ (کتاب کا) حق تصنیف (اشاعت) مدرسۃ العلوم کو دیا جاوے اور رجسٹری کرا دی جاوے، میں دل سے شکر کرتا ہوں۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ اس مسدس کو، جو قوم کے حال کا آئینہ اور یا اُن کے ماتم کا مرثیہ ہے، کسی قید سے مقید کیا جاوے۔ جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈوں پر گاتے پھریں اور رنڈیاں مجلسوں میں طبلے سارنگی پر گاویں، قوال درگاہوں میں گاویں، حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاویں، اُسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہو گی۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ دہلی میں ایک مجلس کروں جس میں تمام اشراف، (دہلی جمع) ہوں اور رنڈیاں نچواؤں، مگر وہ رنڈیاں بھی مسدس گاتی ہوں۔ میں اس کل مسدس کو ''تہذیب الاخلاق'' میں چھاپوں گا۔ میرے اُن استفسار کا جواب، جن پر نشان درج کر دیا ہے، بہت جلد مرحمت ہو۔

والسلام

خاکسار، آپ کا احسان مند تابعدار، سید احمد شملہ

پارک ہوٹل، 10 جون 1879ء

فہرست

پیش لفظ	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	13
حالی کی کہانی حالی کی زبانی	الطاف حسین حالی	23
مولانا حالی کی حیات اور شخصیت	الطاف حسین حالی	31
حالی کا پہلا نعتیہ قصیدہ	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	72
قصیدہ نعتیہ	الطاف حسین حالی	78
حالی کی نعتیہ غزل	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	82
نعتیہ غزل	الطاف حسین حالی	87
قصیدہ نعتیہ (رائیہ) کا تجزیہ	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	90
قصیدہ نعتیہ (رائیہ)	الطاف حسین حالی	96
حال کی عرض حال	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	104
عرض حال	الطاف حسین حالی	107
مسدّس کے نعتیہ بند	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	114
غالب کی نعتیہ غزل پر حالی کی شاہکار تخمیس	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	121

نعتیہ رباعیات	الطاف حسین حالیؔ	137
نعتیہ فردیات	الطاف حسین حالیؔ	139
ترجمہ شدہ نعتیہ اشعار	الطاف حسین حالیؔ	141
حالیؔ کی پہلی تصنیف ''مولود شریف'' پر تبصرہ	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	144
کیا حالیؔ کا تخلص خستہ تھا؟ تحقیقی گفتگو	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	146
حالیؔ سے منسوب فرضی عربی رسالہ کی حقیقت	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	151
کتابیات	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	154

پیش لفظ

یہ بھی اُردو شعر و ادب کی نا قدری ہے کہ اس کے مشاہیر شاعروں، ادب کے عظیم ترین محسنوں اور معماروں کی قدر دانی جیسے ہونی تھی ویسے ہو نہ سکی۔ الطاف حسین حالیؔ، غالبؔ اور شیفتہؔ کے شاگرد، سر سید کے فرماں بردار، محمد حسین آزادؔ، شبلیؔ نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، صدر یار جنگ شیروانی اور چراغ علی کے مصاحب، علی گڑھ کالج اور تحریک کے اکابرین کے وفادار، حیدر آباد، رام پور، پٹیالہ کے حکمرانوں روسا اور انگریز حکومت کے مدح شعار ممتاز شاعر تھے۔ وہ اگر چہ ترقی پسند شاعر، تنقید کے بنیاد گزار اور جدید نظم کے پیشوا تھے جنہوں نے تنقید اُردو شعر و ادب میں مقدمۂ شعر و شاعری، نثری کارناموں میں حیات جاوید، یادگار غالبؔ اور حیات سعدیؔ کے علاوہ اُردو، فارسی اور عربی میں تقریباً ساڑھے نو ہزار اشعار چھوڑے ہیں جو ان کے ہم عصروں کے مقابل سب سے زیادہ وسیع اور تقریباً ہر صنف سخن پر محیط ہیں لیکن ان کا اصلی کارنامہ شعر و ادب میں جدت، مقصدیت اور زندگی کی قدروں کو شامل کرنا ہے۔ چناں چہ انہوں نے اگر مرثیۂ غالب سے یادگار غالب تک شعری، علمی، تہذیبی اور تنقیدی قدروں کو روشناس کروایا تو حیاتِ جاوید، مسدس، حقوقِ نسواں اور اولاد کے ساتھ علی گڑھ تحریک کی نظموں سے برصغیر کی قوم اور خوابیدہ ملت میں تعلیمی، سماجی، اقتصادی، اخلاقی اور ملی شعور کو بیدار کر کے ایسی فضا بنائی کہ اس میں آگے چل کر علامہ اقبالؔ، سر راس مسعود، ابوالکلام آزاد،

ظفر الحسن، عبدالحق غلام سیدین جیسے معنوی شاگردوں نے ایک پسماندہ اور بے حس ملت کو دنیا کی دوسری ترقی یافتہ قوموں کی صفوں میں پہنچا دیا۔ اس لیے اگر حالی کو اُردو شعر و ادب کا مجدد کہا جائے تو اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں۔ حالی کا کلام قومی ادبی اور ملی سرمایہ ہے چناں چہ جب تک قوم اور ادب باقی ہے اس کی اہمیت بھی باقی رہے گی۔ حالی کا کلام جتنا مقبول اور موثر کل تھا آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ حالی شناسی پر راقم کی درجن بھر کتابیں اسی جذبے کے تحت ان کی سو سالہ برسی کے موقع پر پیش کی جا رہی ہیں جس کا ڈول ہم نے کئی سال قبل اُردو کے اندھے کنویں میں ڈال کر چلو چلو پانی جمع کر کے جام سخن میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کے لیے ہم کسی تحسین اور صلے کے منتظر اس لیے بھی نہیں ہیں کہ ع

ہر بڑے کام کی تکمیل ہے خود اس کا صلہ

دِلّی اور لاہور میں حالی کی غزلوں، نظموں، قطعوں، رباعیوں اور بعض شخصی مرثیوں سے لوگ واقف تھے جنہیں حالی مشاعروں، محفلوں اور جلسوں میں پڑھتے تھے۔ ان کے کلام کے بعض نمونے اُس دور کے گلدستوں، تذکروں، اخباروں اور رسالوں میں گاہے گاہے چھپتے رہے۔ حالی کی بعض نظمیں علاحدہ علاحدہ مختلف مقامات پر شائع ہوتی رہیں جن میں مناجات بیوہ، مثنوی حقوق اولاد، شکوۂ ہند، تحفۃ الاخوان، فلسفۂ ترقی اور چپ کی داد وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن باقاعدہ طور پر حالی کی زندگی میں مسدس حالی اور تین مجموعے کلام شائع ہوئے۔

مسدس حالی: 1879ء ضمیمہ مسدس حالی: 1886ء مجموعہ نظم حالی: 1890ء میں اور دیوان حالی معہ مقدمہ شعر و شاعری 1893ء میں۔ حالی نے اپنی زندگی کے آخری سال یعنی 1914ء میں اپنی فارسی اور عربی نظم و نثر کا مجموعہ ''ضمیمۂ اردو کلیاتِ نظم حالی'' مرتب کر کے شائع کیا لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی چناں چہ ضمیمہ تو چھپ گیا مگر کلیات

کی ترتیب اور طباعت نہ ہوسکی۔

حالی کے انتقال کے بعد اگرچہ حالی کے نواسے نے حالی پبلشنگ ہاؤس سے حالی کی مختلف اہم تصانیف کو عمدہ طریقے پر شائع کیا لیکن کلیات نظم حالی کی طباعت میں مشکلات اس لیے رہیں کہ حالی کی بعض نظموں کے حقوقِ اشاعت بعض قومی اداروں اور تاجروں کو حالی نے دے رکھے تھے اور وہ ان نظموں کی کلیات میں شمولیت پر راضی نہ تھے۔ چناں چہ اسی وجہ سے مختلف مقامات اور مختلف چھاپہ خانوں سے حالی کی تصانیف جن میں علاحدہ علاحدہ رباعیات حالی، قطعات حالی، مسدس حالی اور حالی کی دیگر نظمیں شائع ہوتی رہیں۔

1922ء میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے حالی کا غیر مدون کلام یعنی باقیاتِ حالی کا مجموعہ ''جواہرات حالی'' کے نام سے شائع کیا۔ ''جواہرات حالی'' کی پذیرائی سے متاثر ہوکر شیخ اسماعیل پانی پتی نے ''کلیات نظم حالی'' کو چار جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے پہلی اور دوسری جلد میں ''دیوان حالی'' مطبوعہ 1893ء اور ''جواہرات حالی'' 1922ء میں شائع شدہ کلام کو اصناف وار ترتیب دے کر کلیات 1924ء میں پیش کیا۔ افسوس ہے کہ جلد سوم اور چہارم کبھی شائع نہیں ہوئیں۔ تقریباً چالیس سال بعد افتخار احمد صدیقی نے دو جلدوں میں کلیات نظم حالی کے عنوان سے حالی کا سارا کلام مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیا جو حالی کے کلام کے موجودہ نسخوں میں معتبر کلیات ہے۔ حالی کے کلام کی کمیابی اور پرانی کتابت کی غلطیوں سے بھرے ہوئے نسخوں کی طباعت حالی شناسی میں خلل انداز ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ چالیس پچاس سال میں حالی پر کوئی خاص کارآمد تحقیقی اور تنقیدی کام نہ ہوسکا۔ کچھ عمدہ مقالے، تبصرے اور تجزیے مقدمہ شعروشاعری پر ہر دور میں ہوتے رہے اور یہ صدائیں بھی دو تین دہائیوں سے خاموش ہوگئیں۔ راقم نے حالی شناسی کے فروغ کے لیے حالی کے کلام کو صرف نصاب میں شامل

ضروری نہ جانا بلکہ عوام میں بھی اس کے چرچے کو لازم جان کر اس کی فراہمی کا منصوبہ بنایا جس میں اکیسویں صدی کے اُردو ماحول میں حالی کا کلام جدید علمی تحقیقی اور تنقیدی زاویوں پر استوار کر کے تجزیے اور تشریح کے ساتھ ایسی ترتیب اور تدوین کے ساتھ پیش کیا جائے کہ عالم اور عامی اس سے مستفید ہو سکیں۔ چناں چہ حالی کے کلام کے ہر حصے پر دقیق دیدہ ریزی اور مستند حوالوں کی آبیاری سے گلشن تجزیے اور تشریح کو سنوارا گیا۔ کلیات حالی دو جلدوں میں، حالی فہمی، مسدس حالی، حالی کی نظمیں، قطعات حالی، رباعیات حالی، حالی کی غزلیں، حالی کی نظمیں، حالی کے شخصی مرثیے، قصاید حالی، حالی کی نعتیہ شاعری، بچوں کے حالی اور دیوان حالی فارسی اسی گلشن کے پھول ہیں جن کو جدا جدا گل دانوں میں سجایا گیا ہے۔ حالی کے منظوم کلام کی تشریح اور تدوین کے لیے مطبوعہ نسخوں سے استفادہ کیا گیا کیوں کہ حالی کا قلمی غیر مطبوعہ کلام سب کچھ فسادات میں ضائع ہو گیا۔

حالی کی پوتی مشتاق فاطمہ کی صاحبزادی صالحہ عابد حسین اپنے مکتوب بنام ڈاکٹر رفیق حسین مرتب مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتی ہیں۔ ''فسادات کے بعد حالی مسلم ہائی اسکول جو حالی کے بیٹے خواجہ سجاد حسین نے ان کی یادگار کے طور پر قائم کیا تھا ختم کر کے اُسے جین ہائر سکنڈری اسکول بنا دیا گیا تھا جو اب ڈگری کالج ہو گیا ہے۔ ان کا مکان کسٹوڈین کے قبضے میں گیا۔ کتب خانہ ان کا تو پہلے ہی اسکول کو دے دیا گیا تھا۔ میرے والد اور چچا کا بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں نادر اور بیش بہا کتابیں تھیں وہ بھی فسادات کی نذر ہوا۔''

حالی کے مطبوعہ کلام کے کئی نمونے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ہم نے کلام میں جہاں اختلاف پایا وہاں حالی کی زندگی میں شائع شدہ کلام کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ دیوان حالی، مسدس حالی، مجموعہ نظم حالی، ضمیمۂ کلیاتِ حالی اور مختلف معروف نظمیں جو

شائع ہو چکی تھیں ان سے استفادہ کیا گیا۔ ''جواہرات حالی'' اور دیگر نسخوں کو دوسری کتابوں کے حوالوں سے دیکھا گیا ہے حالی کے قدیم کلیات میں جو مسائل تھے جہاں کئی الفاظ ملا کر لکھے جاتے تھے اور بعض نسخوں میں یاں، واں، ترے، مرے کو یہاں، وہاں، تیرے، میرے لکھا گیا جس سے شعر وزن سے ساقط ہو گیا تھا اس کلیات میں ان نقائص سے اجتناب کرنے کے لیے کلیات نظم حالی کی دونوں جلدوں سے بھر پور استفادہ کیا گیا جن کو ڈاکٹر افتخار صدیقی نے مرتب کیا اور ضروری حاشیے درج کیے۔ ڈاکٹر افتخار صدیقی کا کلیات موجودہ نسخوں میں سب سے عمدہ اور نقائص سے پاک ہے۔ ہم نے ان کے بعض حاشیوں کو شامل کر کے (اص) کی علامت کا نشان رکھا ہے۔ حالی کے تمام حاشیوں کو درج کیا ہے جنہیں بعض ناشرین نے کار اضافی جان کر نکال دیا تھا۔

حالی وہ ممتاز شاعر ہیں جنہوں نے روایتی اور جدید شاعری کی ہے۔ جہاں تک حالی کی غزلیات کا تعلق ہے انہوں نے قدیم غزلوں کے نمونہ کلام کو اپنے دیوان میں رکھا تا کہ قدیم اور جدید کا فرق ظاہر ہو۔ چناں چہ قدیم روایتی غزلوں پر ''ق'' کا نشان دیوان میں لگا دیا جس کو کئی ترتیب اور تدوین کرنے والوں نے چنداں اہمیت نہ دی۔ اس کلیات میں ڈاکٹر افتخار صدیقی کے نسخے کی روش اختیار کی گئی ہے۔ تا کہ آیندہ قدیم اور جدید غزلیات میں خلط ملط نہ ہو چنان چہ قدیم اور جدید غزلیات علاحدہ علاحدہ ترتیب دی گئی ہیں۔ ناظرین حالی کی قدیم عشقیہ شاعری اور جدید مقصدی شاعری کو ان علامات کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں۔ حالی اس فکری انقلاب کے بارے میں دیوان کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''غرض کہ ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی تھی۔ اس پر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا .....مگر جب آفتاب

عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا.....جس شاعری پہ ناز تھا
اس سے شرم آنے لگی۔''

حالی نے اُردو اور فارسی میں رباعیات کہی ہیں۔ اُردو اور فارسی کی عمدہ رباعیات کے سامنے حالی کی رباعیات معمولی اور پھیکی معلوم ہوتی ہیں۔ حالی کی رباعیات کے مجموعے کئی شائع ہوئے لیکن سب سے اچھا مجموعہ جس میں حالی کی سب سے زیادہ رباعیات ہیں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کا ترتیب شدہ ہے جو انہوں نے حالی کی سو سالہ ولادت کی سالگرہ پر شائع کیا تھا۔ اس کلیات اور مجموعہ رباعیات میں ہم نے اسی نسخے سے استفادہ کیا جسے افتخار صدیقی نے نظم کلیات حالی میں شامل کیا ہے۔ حالی کی اُردو رباعیات کی تعداد ((120 اور فارسی رباعیات کی تعداد ((20 ہے۔ شیخ اسماعیل کے مرتبہ رباعیات کے مجموعے میں کتابت کی غلطیاں اور بعض الفاظ کا املا غلط درج ہونے کے باعث مصرعے وزن سے خارج ہو گئے تھے وہ تصحیح کر کے شامل کر لیے گئے اور مزید ایک قطعہ جو غلطی سے رباعیوں میں شامل تھا خارج کر دیا گیا ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

موتی ہزار قصر سمندر میں ہوں نہاں

حالی منکسر المزاج تھے انہیں واعظ اور ناصح بننے میں حیا آتی تھی۔ خود لکھتے ہیں:

''بعض رباعیوں اور قطعوں میں اخلاقی مضامین پیش کیے گئے چنان چہ شاعر کو پند و نصیحت کا پیرایہ اختیار کرنا پڑا۔ مگر یہاں شاعر ناصح سے اِس لیے مختلف ہے کہ وہ آپ بیتی بیان کر رہا ہے جب کہ پاک ناصح جگ بیتی کا ذکر کر رہا ہے۔''

ہم نے حالی سے منسوب ''نعتیہ خمسہ'' کو جیسے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے جواہرات یعنی مجموعۂ باقیاتِ حالی میں شامل کیا تھا اور ''خستہ'' حالی کا تخلص بتایا تھا اس کلیات میں الحاقی کلام بتا کر شامل نہیں کیا۔ یہ نعتیہ خمسہ فارسی میں ہے اور اس کا سن

طباعت 1856ء ہے جب حالی کی عمر مشکل سے اٹھارہ برس ہے۔ افتخار صدیقی مرتب ''کلیات نظم حالی'' بھی اس کو حالی کا کلام نہیں مانتے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اِسے شامل کیا ہے۔ ہم نے پورا تحقیقی مضمون اس ضمن میں ''حالی فہمی'' میں ناظرین کی سہولت کے لیے شائع کیا ہے۔

حالی کی زندگی میں جو ان کے فارسی اور عربی کلام کے نظم و نثر کا مجموعہ بنام ضمیمۂ اردو کلیات شائع ہوا تھا اُس سے نثر کے حصے کو چھوڑ کر فارسی عربی کا منظوم کلام یہاں شامل کیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ حالی نے سرسید کی تحریک پر مسدس لکھا۔ مسدس کا سب سے پہلا ایڈیشن جون 1879ء میں شائع ہوا جس کو پڑھ کر سرسید نے جو مکتوب لکھا تھا ہم نے اس کو اس دستاویز کا جز بنایا ہے۔ سرسید کا یہ کہنا کہ بارگاہ ایزدی میں خالی ہاتھ نہیں آیا بلکہ مسدسِ حالی لکھوا کر لایا ہوں اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ سرسید مسدسِ حالی کے گرویدہ تھے۔ چناں چہ سرسید نے ''تہذیب الاخلاق'' جلد 1880ء میں پورا مسدس چھاپا۔ حالی کے مسدس کا پہلا ایڈیشن سال بھر میں ختم ہو گیا۔ دوسرا ایڈیشن بھی ایک ہی سال میں ختم ہوا تو مسدس کے تیسرے ایڈیشن میں حالی نے مسدس پر نظر ثانی کی، کئی مصرعوں کو بدلا، بندوں میں اضافہ کیا اور ضمیمہ کا بھی اضافہ کر کے مسدس کے چھے سال بعد 1886ء میں شائع کروایا۔ حالی کے مسدس میں (294) بند ہیں اور ضمیمہ میں ((164 بند ہیں اس طرح کل بندوں کی تعداد ((458 ہے حالی کے سو سالہ ولادت کی سالگرہ پر 1935ء میں ڈاکٹر عابد حسین کے مقدمے کے ساتھ مسدس کا صدی ایڈیشن بڑے اہتمام سے شائع ہوا۔ ہم نے یہاں اسی صدی ایڈیشن کے نسخے سے استفادہ کیا۔

حالی نے اپنے کلام بالخصوص مسدس اور بعض نظموں میں پسماندہ بے حرکت مسلمان قوم کے اسلاف اور اکابرین کے کارناموں کو بیان کر کے یہ تلقین کی ہے کہ تم

اب بھی یہ کام کر سکتے ہو اس طرح ان کا کلام مسلمانوں کی غیرت کی رگ کو پھڑکتا اور سوئی ہوئی قوم کے لیے ایک تازیانہ کا کام کرتا ہے کہ بیدار ہوں اور فلاکت و ہلاکت سے نجات حاصل کرو۔

حالی نے اپنے نظموں کے پہلے مجموعے میں چودہ نظمیں شائع کیں جس میں مدو جزر اسلام، مناجات بیوہ، حقوق اولاد اور شکوہ ہند کو اس لیے شامل نہیں کیا کہ وہ پہلے اور مسلسل شائع ہو رہی تھیں۔ حالی دیباچے میں لکھتے ہیں کہ اس مجموعے میں 1874ء تک کی نظموں کو شامل کیا گیا ہے۔ 1874ء میں جب محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہال رایڈ کی تائید سے ایک مشاعرے کی بنا ڈالی گئی جس میں مصرعہ طرح کے بجائے موضوع دیا گیا تا کہ اُردو شاعری کو فرسودہ عشقیہ اور مبالغہ آمیز مضامین سے نجات دلوائی جائے تو انہوں نے بھی جو نظمیں پڑھیں یعنی برکھارت، نشاط امید، حب الوطن اور مناظرہ رحم و انصاف کو اس مجموعہ کا حصہ بنایا۔ حالی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انہیں اگرچہ مغربی شاعری کے اصولوں سے واقفیت نہیں لیکن انہیں مبالغہ اور اغراق سے نفرت ہے جس کا ثبوت خود ان کا کلام ہے۔ حالی نے بتایا ہے کہ سائنٹیفک سوسائٹی کے اخبار اور 1872ء کے جاری شدہ تہذیب الاخلاق کے علاوہ مغربی لٹریچر کی ترجمہ شدہ کتابوں نے مسلمانوں کے ذہنوں میں لٹریچر کا انقلاب برپا کر دیا تھا جس کی وجہ سے مغربی طرز کی نظموں کی پذیرائی ہونے لگی۔ حالی کہتے ہیں:

> ''میں اپنے قدیم مذاق کے دوستوں اور ہم وطنوں سے جو کسی قسم کی جدت کو پسند نہیں کرتے، معافی چاہتا ہوں کہ اس مجموعے میں ان کی ضیافت طبع کا کوئی سامان مجھ سے مہیا نہیں ہو سکا اور اُن صاحبوں کے سامنے جو مغربی شاعری کی ماہیت سے واقف ہیں، اعتراف کرتا ہوں کہ طرز جدید کا حق ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ البتہ میں نے اُردو زبان میں نئی طرز کی

ایک ادھوری اور ناپائدار بنیاد ڈالی ہے۔ اس پر عمارت چننی اور اس کو ایک قصر رفیع الشان بنانا ہماری آیندہ ہونہار اور مبارک نسلوں کا کام ہے، جن سے امید ہے کہ اس بنیاد کو ناتمام نہ چھوڑیں گے۔

پارۂ در خاک معنی تخم سعی افشاندہ ام
بو کہ بعد از ماشود ایں تخم نخل بار دار''

یعنی میں نے دنیائے معانی کی خاک میں کوشش کے بیج بوئے ہیں تاکہ ہمارے بعد اس کے پھل دینے والے درخت سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔

حالی نے دیوان کے دیباچہ میں لکھا: ''کچھ نظمیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں۔ بعضوں نے پسند کیں اور بعضوں نے ناپسند مگر چوٹ سب کے دل پر لگی۔ کہانی بے مزہ تھی مگر آپ بیتی اور باتیں اوپری تھیں مگر پتے کی۔ پہلا کلام جو عالم جہل و نادانی یا خلاصہ زندگانی کی نشانی ہے وہ بھی کسی قدر تلف ہو جانے کے بعد جس قدر بچا ہے اب تک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ جو کام اس کی تھوڑی یا بہت کوشش سے انجام ہوتا ہے عام اس سے کہ اچھا ہو یا برا اور پسند کے لائق ہو یا نہ ہو اس کو بڑے فخر کے ساتھ پبلک میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہے۔ ان نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں دیکھ کر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہو کہ ان میں نئی بات کون سی ہے۔ نہ خیالات ہی اچھوتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گزرے ہوں اور نہ طرز بیان میں کوئی ایسی جدت ہے جس سے کبھی کان آشنا نہ ہوئے ہوں۔ پس ان کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ بے شک طرز ادا جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا وہ بہت کم فرق پائیں گے مگر خیالات میں ذرا بھی غور فرمائیں گے تو ان کو ایک دوسرا عالم نظر آئے گا۔ وہ دیکھیں گے کہ گو محمل نہیں بدلے مگر محمل نشین بدل گئے اور گو پیالے وہی ہیں مگر شراب اور ہے۔''

حالی نے یہ بھی بتایا کہ انسان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا سکے۔ نئے خیالات سے مراد وہی عام خیالات ہیں جن کو شاعروں نے ترک کر دیا تھا اور معمولی خیالات سمجھ کر چھوڑ دیا تھا جب کہ انہی خیالات میں زندگی کے راز چھپے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ نظموں میں اسلاف کے اقوال واقعات اور حکایات کو بھی بیان کیا گیا۔ طوالت وتکرار حالی کی نظموں کا سب سے بڑا عیب ہے۔ مثلاً: مناجات بیوہ جو حالی کی بہترین نظم ہے اس میں طوالت اور تکرار نے اسے کم اثر کر دیا ہے۔ اگر اس کے بعض حصوں کو نکال بھی دیا جائے تو نظم پر کوئی منفی اثر نہیں پڑ سکتا۔ حالی کو اگر موقع ملتا تو شاید ان نظموں کی تکرار اور طوالت پر نظر ثانی کرتے۔ ہم مطمئن ہیں کہ نسل آیندہ اس کا انتخاب کرے گی۔

جہاں تک کلیات کی ترتیب اور تدوین کا تعلق ہے جو کم از کم تین طرح سے مرتب کیا جا سکتا ہے یعنی اصنافی ترتیب، موضوعاتی ترتیب یا زمانی ترتیب۔ حالی کے پہلے کلیات کو شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے اُردو کے قدیم اور مروجہ اسلوب یعنی اصناف سخن کے اعتبار سے جمع کیا۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے کلیات نظم حالی کو موضوعاتی اعتبار سے تقسیم کر کے ہر صنف میں زمانی دور کو بھی ملحوظ رکھا۔ راقم نے بھی کلیات حالی میں اصنافی ترتیب دے کر جہاں منظومات کے سنین کا تعین ہو سکا انہیں تاریخوں کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔ راقم بک کارنر پبلشرز کے رُوحِ رواں جناب امر شاہد کی کاوشوں کا ممنون ہے جنہوں نے حُسنِ یوسف کو بازارِ مصر میں پیش کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ آخر میں ڈاکٹر بیدار بخت اور کرنل انور احمد کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے وہ تمام کتابوں کا بندوبست کیا جو میری لائبریری میں نہیں تھیں۔

خیر اندیش

ڈاکٹر سید تقی عابدی

حالی کی کہانی حالی کی زبانی

(جو نواب عماد الملک بہادر مولوی حسین صاحب بلگرامی کی فرمائش سے لکھی گئی)

میری ولادت تقریباً 1253ھ مطابق 1837ء میں بمقام قصبہ پانی پت شاہ جہاں آباد سے جانب شمال 53 میل کے فاصلہ پر ایک قدیم بستی ہے؛ میں واقع ہوئی۔ اس قصبہ میں کچھ کم سات سو برس سے قوم انصار کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے؛ آباد چلی آتی ہے۔ ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی میں جبکہ غیاث الدین بلبن تخت دہلی پر متمکن تھا شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری معروف بہ پیر ہرات کی اولاد میں سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام جو علوم متعارفہ میں اپنے عام معاصرین سے ممتاز تھے۔ ہرات سے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے۔ جن کا سلسلہ نسب 26 واسطوں سے حضرت ابو ایوب انصاری تک اور 18 واسطوں سے شیخ الاسلام تک اور 10 واسطوں سے ملک محمود شاہ انجو لقب بہ آق خواجہ تک جو غزنوی دور میں فارس و کرمان و عراق عجم کا فرمانروا تھا، پہنچتا ہے۔ چونکہ غیاث الدین بلبن اس بات میں نہایت مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانوں کی بہت عزت کرتا ہے اور اس کا بیٹا سلطان محمد علما و شعرا و دیگر اہل کمال کا حد سے زیادہ قدر دان تھا اس لیے اکثر اہل علم اور

عالی خاندان لوگ ایران و ترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے اسی شہرت نے خواجہ ملک علی کو سفر ہندوستان پر آمادہ کیا تھا چناں چہ سلطان غیاث الدین نے چند عمدہ اور سیر حاصل دیہات پرگنہ پانی پت میں اور معتد بہ آراضی سواد قصبہ پانی پت میں بطور معاش کے اور بہت سی زمین اندرون آبادی قصبہ پانی پت واسطے سکونت کے ان کو عنایت کی اور منصب قضا وصدارت و تشخیص رخ بازار اور تولیت ائمہ جو سواد پانی پت میں واقع ہیں اور خطابت عیدین ان سے متعلق کر دی۔ پانی پت میں جو اب تک ایک محلہ انصاریوں کا مشہور ہے وہ انہیں بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے۔ میں باپ کی طرف سے اسی شاخ انصار سے علاقہ رکھتا ہوں اور میری والدہ سادات کے ایک معزز گھرانے کی جو یہاں سادات شہدا پور کے نام سے مشہور ہیں؛ کی بیٹی تھیں۔

میری ولادت کے بعد میری والدہ کا دماغ مختل ہو گیا تھا۔ میرے والد نے سن کہولت میں انتقال کیا جبکہ میں نو برس کا تھا۔ اس لیے میں نے ہوش سنبھال کر اپنا سرپرست بھائی بہنوں کے سوا کسی کو نہیں پایا۔ انہوں نے اول مجھ کو قرآن حفظ کرایا اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق خود بخود میرے دل میں حد سے زیادہ تھا۔ مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہیں ملا ایک بزرگ سیّد جعفر علی مرحوم جو ممنون دہلوی کے بھتیجے اور نیز داماد بھی تھے اور بوجہ تعلق زناں شوئی کے پانی پت میں مقیم تھے اور فارسی لٹریچر اور تاریخ طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے اُن سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی۔ پھر عربی کا شوق ہو گیا اُنہیں دنوں میں مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری مرحوم لکھنؤ سے امامت کی سند لے کر آئے تھے ان سے صرف ونحو پڑھی۔ مگر چند روز بعد بھائی نے جن کو میں بمنزلہ والدین کے سمجھتا تھا تاہّل پر مجبور کیا۔ اس وقت میری عمر 17 برس کی تھی اور زیادہ تر بھائی کی نوکری پر سارے گھر کا گذارہ تھا کہ یہ جوا میرے کندھے پر رکھا گیا اب بظاہر

تعلیم کے دروازے چاروں طرف سے مسدود ہو گئے۔ سب کی یہ خواہش تھی کہ میں نوکری تلاش کروں۔ مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور بیوی کا میکا آسودہ حال تھا۔ میں گھر والوں سے روپوش ہو کر دلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس کے وہاں رہ کر کچھ صرف ونحو اور کچھ ابتدائی کتابیں منطق کی مولوی نوازش علی مرحوم سے جو وہاں ایک مشہور واعظ اور مدرس تھے پڑھیں اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا۔ مگر جس سوسائٹی میں مَیں نے نشوونما پائی تھی وہاں تعلیم کو صرف عربی اور فارسی زبان پر منحصر سمجھا جاتا تھا انگریزی تعلیم کا خاص کر پانی پت میں اوّل تو کہیں ذکر ہی سننے میں نہ آتا تھا اور اگر اس کی نسبت لوگوں کا کچھ خیال تھا تو صرف اس قدر کہ سرکاری نوکری کا ایک ذریعہ ہے۔ نہ یہ کہ اس سے کوئی علم حاصل ہوتا ہے بلکہ برخلاف اس کے انگریزی مدرسوں کو ہمارے علما مچھلے کہتے تھے۔ دلی پہنچ کر جس مدرسہ میں مجھ کو شب و روز رہنا پڑا وہاں کے مدرس اور طلبہ کالج کے تعلیم یافتہ لوگوں کو محض جاہل سمجھتے تھے۔ غرض کبھی بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہ گذرتا تھا ڈیڑھ برس دلی میں رہنا ہوا۔ اس عرصہ میں کبھی کالج کو جا کر آنکھ سے دیکھا تک نہیں اور نہ ان لوگوں سے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا جو اس وقت کالج میں تعلیم پاتے تھے جیسے مولوی ذکاء اللہ، مولوی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد وغیرہ۔

میں نے دلی میں شرح مسلم، ملاحسن اور میبذی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب عزیزوں اور بزرگوں کے جبر سے چار ناچار مجھ کو دلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آنا پڑا۔ یہ ذکر 1855ء کا ہے۔ دلی سے آکر برس ڈیڑھ تک پانی پت سے کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہاں بطور خود اکثر بے پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ 1856ء میں مجھے ضلع حصار میں ایک قلیل تنخواہ کی آسامی صاحب کلکٹر کے دفتر میں مل گئی۔ لیکن 1857ء میں جبکہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر سخت واقعات ظہور

میں آئے اور سرکاری عملداری اُٹھ گئی تو میں وہاں سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے (پانی پت میں) بے کاری کی حالت میں گذرے۔ اس عرصہ میں پانی پت کے مشہور فضلاء مولوی عبدالرحمٰن، مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی مرحوم سے بغیر کسی ترتیب اور نظام کے کبھی منطق یا فلسفہ کبھی حدیث کبھی تفسیر پڑھتا رہا اور جب ان صاحبوں میں سے کوئی پانی پت میں نہ ہوتا تھا تو خود بغیر پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا اور خاص کر علم ادب کی کتابیں شروع اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھتا تھا اور کبھی کبھی عربی نظم و نثر بھی بغیر کسی کی اصلاح یا مشورے کے لکھتا تھا۔ مگر اس پر اطمینان نہ ہوتا تھا میری عربی اور فارسی تحصیل کا منتہا صرف اسی قدر ہوا جس قدر اوپر ذکر کیا گیا۔

جس زمانہ میں میرا دلّی جانا ہوا تھا۔ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ مرحوم کی خدمت میں اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ میں نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا اور چند فارسی قصیدے انہوں نے اپنے دیوان میں سے مجھے پڑھائے بھی تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکر شعر کرنے سے منع کیا کرتے تھے مگر میں نے جو ایک آدھ غزل اردو یا فارسی کی لکھ کر ان کو دکھائی تو انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ اگرچہ میں کسی کو فکرِ شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا لیکن تمہاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔ مگر اس زمانے میں ایک دو غزل سے زیادہ دلی میں شعر لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت میں بے کاری کی حالت میں گزر گئے تو فکرِ معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا حسن اتفاق سے نواب مصطفی خاں مرحوم رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے جو فارسی میں حسرتؔ اور اردو میں شیفتہؔ تخلص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے شناسائی ہوگئی اور آٹھ سات برس

تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ نواب صاحب جس درجہ کے فارسی اور اُردو زبان کے شاعر تھے۔ اس کی بہ نسبت ان کا مذاق شاعری بمراتب بلند تر اور اعلیٰ واقع ہوا تھا۔ انہوں نے ابتدا میں اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خان کو دکھایا تھا۔ مگر ان کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے۔ میرے وہاں جانے سے ان کا پرانا شعر وسخن کا شوق جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا تازہ ہو گیا اور ان کی صحبت میں میرا طبعی میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا چمک اٹھا۔ اسی زمانہ میں اُردو اور فارسی کی اکثر غزلیں نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہیں کے ساتھ میں بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا۔ مگر درحقیقت مرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا۔ وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے۔ چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں متنفر تھے۔ نواب شیفتہؔ کے مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ ایک روز انیس کا ذکر ہو رہا تھا۔ انہوں نے انیس کے مرثیہ کا یہ مصرع پڑھا:

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے

اور کہا کہ انیسؔ نے ناحق مرثیہ لکھا یہی ایک مصرع بجائے خود ایک مرثیہ کے برابر تھا۔ ان کے خیالات کا اثر مجھ پر بھی پڑنے لگا اور رفتہ رفتہ ایک خاص مذاق پیدا ہو گیا۔

نواب شیفتہؔ کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ایک آسامی مجھ کو مل گئی جس میں مجھے یہ کام کرنا پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اُردو میں ہوتے تھے

ان کی اردو عبارت درست کرنے کو مجھے ملتی تھی تقریباً چار برس میں نے یہ کام لاہور میں رہ کر کیا اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہوگئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔ لاہور ہی میں رہ کر نیل ہالرائیڈ ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن پنجاب کے ایما سے مولوی محمد حسین آزاد نے اپنے پرانے ارادے کو پورا کیا یعنی 1874ء میں ایک مشاعرے کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا تھا اور جس میں بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعروں کو دیا جاتا تھا کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جس طرح چاہیں نظم میں ظاہر کریں۔ میں نے بھی اسی زمانہ میں چار مثنویاں ایک برسات پر دوسری امید پر۔ تیسری رحم و انصاف پر اور چوتھی وطن پر لکھیں۔

اس کے بعد میں لاہور سے دہلی میں اینگلو عربک اسکول کی مدرسی پر بدل آیا۔ یہاں آ کر اوّل میں نے ایک آدھ نظم بطور خود اسی طرز کی جس کی تحریک لاہور میں ہوئی تھی؛ لکھی۔ پھر سرسید احمد خاں مرحوم نے ترغیب دلائی کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی و تنزلی کی حالت اگر نظم میں بیان کی جائے تو مفید ہوگی۔ چناں چہ میں نے اوّل مسدس مدو جزر اسلام اور اس کے بعد اور نظمیں جو چھپ چھپ کر بار بار شائع ہو چکی ہیں، لکھیں۔

نظم کے سوا نثر اردو میں بھی چند کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے پہلے غالباً 1867ء میں ایک کتاب تریاق مسموم ایک نیٹو کرسچن کی کتاب کے جواب میں جو میرا ہم وطن تھا اور مسلمان سے عیسائی ہوا تھا؛ لکھی تھی جس کو اسی زمانہ میں لوگوں نے مذہبی میگزینوں میں شائع کر دیا تھا۔ اس کے بعد لاہور میں ایک عربی کتاب کا جو جیولوجی میں تھی اور فرنچ سے عربی میں کسی مصری فاضل نے ترجمہ کی تھی اُردو میں ترجمہ کیا اور اس کا کاپی رائٹ بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا چناں چہ ڈاکٹر لائٹز کے زمانہ

میں اس کو یونیورسٹی نے چھاپ کر شائع کر دیا تھا مگر اوّل تو وہ اصل کتاب پچاس ساٹھ برس کی لکھی ہوئی تھی جبکہ جیولوجی کا علم ابتدائی حالت میں تھا۔ دوسرے مجھ کو اس فن سے محض اجنبیت تھی اس لیے اصل اور ترجمہ دونوں غلطیوں سے خالی نہ تھے۔ لاہور ہی میں ایک کتاب عورتوں کی تعلیم کے لیے قصہ کے پیرایہ میں موسوم بہ مجالس النساء لکھی تھی جس پر کرنیل ہالرایڈ نے ایک ایجوکیشنل دربار میں بمقام دہلی مجھے لارڈ نارتھ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپیہ کا انعام دلوایا تھا اور جو اودھ اور پنجاب کے مدارس نسواں میں مدت تک جاری رہی اور شاید اب بھی کہیں کہیں جاری ہو۔ پھر دلی میں سعدیؔ شیرازی کی لائف اور ان کی نظم ونثر پر ریویو لکھ کر شائع کیا جس کا نام حیاتِ سعدی ہے اور جس کے دس بارہ ایڈیشن اب سے پہلے شائع ہو چکے ہیں پھر شاعری پر ایک مبسوط مضمون لکھ کر بطور مقدمہ کے اپنے دیوان کے ساتھ شائع کیا اس کے بعد مرزا غالب مرحوم کی لائف جس میں ان کی فارسی اور اردو نظم ونثر کا انتخاب بھی شامل ہے اور نیز ان کی شاعری پر ریویو بھی لکھا گیا ہے یادگار غالب کے نام سے لکھ کر شائع کی اور اب سرسید احمد خاں مرحوم کی لائف موسوم حیاتِ جاوید جو تقریباً ہزار صفحہ کی کتاب ہے لکھی جو امید ہے کہ مارچ یا اپریل میں شائع ہو جائے گی اس کے سوا اور بھی بعض کتابیں فارسی گرائمر وغیرہ میں نے لکھی ہیں جو چنداں ذکر کے قابل نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ تیس بتیس مضمون بھی مختلف عنوانوں پر مختلف اوقات میں لکھے جو تہذیب اخلاق، علی گڑھ گزٹ اور دیگر اخبارات یا رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ نیز اُردو کے علاوہ فارسی میں کسی قدر زیادہ اور عربی میں کم میری نظم ونثر موجود ہے جو ہنوز شائع نہیں ہوئی جب سے ان دونوں زبانوں کا رواج ہندوستان میں کم ہونے لگا ہے۔ اس وقت سے ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔ میری سب سے اخیر فارسی نظم وہ ترکیب بند ہے جو سرسید کی وفات پر میں نے 1898ء میں لکھا تھا اور اُردو میں سب سے اخیر وہ نظم ہے جو حال میں ایمپرس

وکٹوریا کی وفات پر لکھی ہے اور علی گڑھ گزٹ میں شائع ہو چکی ہے۔

1305ھ میں جبکہ میں اینگلو عربک اسکول دہلی میں مدرس تھا نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم مدار المہام سرکار عالی نظام اثنائے سفر شملہ میں علی گڑھ محمڈن کالج کے لیے سر سید احمد خاں مرحوم کی کوٹھی واقع علی گڑھ میں فروکش ہوئے تھے اور میں بھی اس وقت علی گڑھ گیا ہوا تھا۔ نواب صاحب ممدوح نے بصیغہ امدادِ مصنّفین ایک وظیفہ تعداد پچھتر روپے ماہوار کا میرے لیے مقرر فرمایا اور 1309ھ میں جب کہ میں سر سید مرحوم کے ہمراہ بشمول دیگر ممبران ڈیپوٹیشن ٹرسٹیان محمڈن کالج علی گڑھ حیدر آباد گیا تھا۔ اس وظیفہ میں پچیس روپے ماہوار کا اضافہ کر کے سو روپے سکہ حال کا وظیفہ میرے لیے مقرر کر دیا جو اب تک مجھ کو ماہ بماہ سرکار عالی سے ملتا ہے اور اسی وقت سے میں نے اینگلو عربک اسکول کا تعلق قطع کر دیا ہے۔

مولانا حالیؔ کی حیات اور شخصیت

نام:

خواجہ الطاف حسین

تخلص:

حالیؔ۔ (بعض افراد نے لکھا کہ آغاز شاعری میں حالیؔ خستہ تخلص کرتے تھے جو صحیح نہیں)

تاریخ ولادت:

بقول حالیؔ ''میری ولادت تقریباً 1253ھ مطابق 1837ء میں ہوئی۔''
(1253 ہجری سال اپریل 1837ء سے شروع ہوتا ہے۔ چناں چہ حالیؔ اپریل اور دسمبر 1837ء کے درمیان پیدا ہوئے)۔

نوٹ:..... تذکرۂ حالی میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے حالیؔ کی تاریخ ولادت 1253ھ مطابق 1836ء لکھی ہے جو صحیح نہیں۔

مقام ولادت:

پانی پت ضلع کرنال

والد:

خواجہ ایزد بخش متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ انگریز سرکار کے پرمٹ ڈپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ چالیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے اس وقت حالی صرف نو سال کے تھے۔

والدہ:

حالی بچپن ہی سے والدہ کی توجہ تربیت اور محبت سے محروم رہے حالی کی ولادت کے فوری بعد ان کی والدہ کا دماغی توازن بگڑ چکا تھا چناں چہ ان کی تربیت اور پرورش ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے کی۔

دادا:

خواجہ بوعلی بخش

پردادا:

خواجہ محمد بخش

جد:

خواجہ ملک علی جو ہرات کے بادشاہ میرک علی کے بیٹے تھے اور غیاث الدین

بلبن کے دور حکومت میں ہندوستان آئے۔ بلبن نے ان کے علم وفضل وکمال سے متاثر ہوکر کرنال کے قصبہ پانی پت میں جاگیر عطا کی اور یہ خاندان 1276 ہجری سے پانی پت میں مقیم ہوگیا۔

خاندان:

حالی کا شجرہ دادھیال سے بیالیسویں پشت میں حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے اور نانھیال سے چھتیسویں پشت میں حضور اکرم ﷺ سے جا ملتا ہے اسی بنا پر صالحہ عابد حسین نے لکھا کہ حالی کی ماں سیدانی تھی۔ حالی لکھتے ہیں میری والدہ سادات کے ایک معزز گھرانے کی جو یہاں سادات شہدا پور کے نام سے مشہور ہیں؛ بیٹی تھیں۔

بھائی بہن:

حالی کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین اور دو بڑی بہنیں امتہ الحسین اور وجہہ النساء تھیں۔ چونکہ حالی سب سے چھوٹے تھے اور ان کی ماں ذہنی توازن کھو چکی تھیں اس لیے بڑے بھائی اور دونوں بڑی بہنوں نے حالی کی تربیت اور دیکھ بھال اپنے ذمہ لے لی۔ بقول حالی: ''میری ولادت کے بعد میری والدہ کا دماغ مختل ہو گیا تھا۔ میرے والد نے انتقال کیا جب کہ میں نو برس کا تھا۔''

تعلیم:

(ا) بقول حالی: ''میں نے ہوش سنبھال کر اپنا سرپرست بھائی بہنوں کے سوا کسی کو نہیں پایا۔ انہوں نے مجھ کو قرآن حفظ کرایا۔''

صالحہ عابد حسین ''یادگار حالی'' میں لکھتی ہیں۔ ''پرانے زمانے کے دستور کے

موافق ساڑھے چار سال کی عمر میں الطاف حسین کی بسم اللہ ہوئی۔ الطاف حسین کو پانی پت کے ایک جید قاری حافظ ممتاز حسین کے پاس قرآن شریف کی تعلیم کے لیے بٹھایا گیا۔ اُن کو پڑھنے کا بچپن سے بے حد شوق تھا اور حافظہ غیر معمولی طور پر اچھا تھا چناں چہ انہوں نے جلد ہی قرآن شریف حفظ کر لیا۔ وہ بچپن سے قرآن شریف اس قدر خوش الحانی اور صحت کے ساتھ پڑھتے کہ بڑے بڑے قاری اور عالم تعریف کرتے تھے۔

(ب) سید جعفر علی سے جو ممنون دہلوی کے بھتیجے اور داماد بھی تھے حالؔی نے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے دلچسپی ہوگئی۔ یہ انہی کی صحبت کا اثر تھا کہ حالؔی کے مزاج میں جو فطری شاعری کی اپج تھی اُسے ابھرنے کا موقع بھی ملا۔

(ج) حاجی ابراہیم حسین انصاری سے عربی صرف ونحو پڑھی جو لکھنو سے تحصیل علم کے بعد پانی پت میں مقیم تھے۔

(د) دلی پہنچ کر جامع مسجد کے قریب حسین بخش کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور مولوی نوازش علی سے کچھ کتابیں صرف ونحو اور منطق کی پڑھیں۔

دلی ہی میں شرح مسلم، ملاحسن اور میبذی پڑھنا شروع کیا۔

(ھ) دلی میں ڈیڑھ سال رہ کر پانی پت واپس ہوئے اور مولوی عبدالرحمٰن، مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی سے بغیر کسی خاص ترتیب اور نظام کے منطق، فلسفہ کبھی حدیث اور تفسیر پڑھتے رہے۔ حالی لکھتے ہیں: ''بھائی بہن نے جن کو میں بمنزلہ والدین کے سمجھتا تھا تاہل پر مجبور کیا۔ اس وقت میری عمر (17) برس کی تھی۔ یہ جوا میرے کندھے پر رکھا گیا اب بظاہر تعلیم کے دروازے چاروں طرف سے مسدود ہو گئے۔ سب کی یہ خواہش تھی کہ میں

نوکری تلاش کروں۔ مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور بیوی کا میکا آسودہ حال تھا۔ میں گھر والوں سے روپوش ہو کر دلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس وہاں رہ کر عزیزوں اور بزرگوں کے جبر سے چار نا چار مجھ کو دلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آنا پڑا۔ دلی سے آ کر برس ڈیڑھ تک پانی پت سے کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہاں بطور خود اکثر بے پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ 1856ء میں مجھے ضلع حصار میں ایک قلیل تنخواہ کی آسامی صاحب کلکٹر کے دفتر میں مل گئی۔ لیکن 1858ء میں جب کہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان میں برپا ہوا تو میں پانی پت واپس چلا آیا اور قریب چار برس کے بے کاری کی حالت میں گزرے۔ یہاں علم ادب کی کتابیں شروح اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھتا تھا اور کبھی کبھی عربی نظم و نثر بھی بغیر کسی کی اصلاح یا مشورے کے لکھتا تھا۔ مگر اس پر اطمینان نہ ہوتا تھا۔

دلی کالج سے بے زاری:

جس وقت حالی دلّی گئے اس وقت قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا لیکن اس ڈیڑھ سال کی مدت میں حالی نے کالج کو جا کر آنکھ سے دیکھا تک نہیں اور نہ کالج کے طلبا سے ملاقات کی جن میں محمد حسین آزاد، ماسٹر رام چندر، ماسٹر پیارے لال ڈپٹی نظیر احمد اور ذکاء اللہ وغیرہ جیسے طالب علم موجود تھے جس کی وجہ سے حالی کا پانی پت کا ماحول اور ان کی محدود سوسائٹی تھی جہاں تعلیم کو صرف عربی اور فارسی زبان پر ہی منحصر سمجھا جاتا تھا۔

انگریزی تعلیم کو صرف سرکاری نوکری کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اسی لیے یہ افراد انگریزی مدرسوں کو جاہلوں کے مدرسے یا مجہلے کہتے تھے۔

تلاش علم:

صالحہ عابد حسین کہتی ہیں:

''حالی کی شادی تو ہو گئی مگر علم کی پیاس کم نہیں ہوئی۔ بیوی خوش حال گھرانے کی تھیں۔ الطاف حسین نے اُس کو غنیمت جانا کہ ابھی بیوی کا بار ان کے اوپر نہیں۔ اس فرصت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ دلّی جا کر جو اس اجڑی حالت میں علوم وفنون کا مرکز تھی؛ تحصیل علم کریں۔ دلّی اگرچہ پانی پت سے صرف پچپن میل ہی ہے۔ ریل اس وقت تک جاری نہیں ہوئی تھی۔ اونٹ گاڑی یا بیل گاڑی پر یا پیدل سفر کرنا ہوتا تھا۔ الطاف حسین جانتے تھے انہیں دلّی جانے کی اجازت نہ ملے گی۔ ایک دن جب ان کی بیوی میکے گئی ہوئی تھیں وہ بغیر کسی سے کچھ کہے سنے اور بغیر کسی سامان کے پا پیادہ دلّی کی طرف روانہ ہو گئے۔ شاید راستے میں اونٹ گاڑی اور بیل گاڑی میں کچھ مسافت طے کی ہو۔ علم کا یہ سچا شیدائی جب دلی پہنچا تو بالکل خالی ہاتھ تھا خدا ہی جانے یہ کٹھن زمانہ کس طرح کاٹا۔ کیسے گزر بسر کے قابل پیسہ کمایا۔ اُس زمانے کا مفصل حال کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔''

راقم کی نظر میں سچ بات یہ بھی ہے کہ ہم صرف سکّے کے ایک رخ یعنی علم کی طلب اور اس کے حاصل کرنے کی قربانیوں کو دیکھ رہے ہیں لیکن سکّے کے دوسرے رخ پر ایک تازہ شادی شدہ دلہن کے احساسات جذبات اور دنیا بھر کے تشویش ناک خیالات کا ذمہ دار کس کو ٹھہرایا جائے؟ اس بات کا امکان ہوسکتا ہے کہ حالی اپنے اس

عمل سے شرمندہ تھے جس کا نتیجہ ان کی تخلیقات میں آگے چل کر عورتوں کی کسمپرسی اور حقوق پر بیوہ کی مناجات اور چپ کی داد جیسی نظمیں اور ساری عمر اپنی بیوی کی تعریف اور توقیر رہی ہو۔

شریکِ حیات:

بقول حالی:

''بھائی بہن نے جن کو میں بمنزلہ والدین کے سمجھتا تھا تاہُل پر مجبور کیا اس وقت میری عمر سترہ (17) برس کی تھی۔''

خواجہ امداد حسین نے ماموں کی بیٹی اسلام النساء سے شادی کر دی۔ صالحہ عابد حسین نے جو خود حالی کے خاندان کی فرد ہیں خاندان کے بزرگوں کے بیانات اور خواجہ غلام السبطین مرحوم کی غیر مطبوعہ ڈائری کے حوالے سے حالی اور ان کی بیوی کے حالات یادگار حالی میں جمع کیے ہیں۔ ہم کچھ مستند واقعات کا ذکر اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے میاں بیوی کے تعلقات کے علاوہ دونوں کے حسن اخلاق پر روشنی پڑتی ہے اور انہی واقعات سے حالی کے معاملات کی صفائی بھی ہو جاتی ہے کیوں کہ حالی حقوق نسواں کے حامی تھے اور یہ حمایت گھر سے شروع ہوتی ہے۔

بی اسلام النساء بڑی با سلیقہ، منظم، ہمدرد، فیاض اور خدمت گزار خاتون تھیں۔ تقریباً نصف صدی کی مشترک زندگی میں حالی کی اور اُن کی کبھی اَن بن نہیں ہوئی۔ انہوں نے کبھی اپنے شوہر کی علمی اور قومی زندگی کی مصروفیتوں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ البتہ وہ بڑے تیز مزاج کی تھیں اور جب غصہ آتا تھا تو آپے سے باہر ہو جاتی تھیں لیکن پھر بڑی جلدی پشیمان بھی ہو جاتی تھیں۔ برخلاف اس کے حالی کا مزاج اتنا ہی نرم واقع ہوا تھا۔ اِس لیے کبھی لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

واقعہ:

خواجہ غلام السبطین مرحوم نے اپنی (غیر مطبوعہ) ڈائری میں اسی قسم کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ ایک مرتبہ محرم کی نو تاریخ کو حالی اپنے بیٹے خواجہ سجاد حسین اور اپنے سالے میر فیاض حسین کے ساتھ کہیں تانگے میں بیٹھ کر گئے۔ بیوی کو حالی کی یہ بات سخت ناگوار گزری (واضح رہے کہ حالی سنی تھے اور بیوی شیعہ اور اس خاندان میں انتہائی روا داری تھی اور اس قسم کی شادیاں بلا تامل ہوتی تھیں) اتفاق سے تانگا الٹ گیا۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو سیدانی کا جلال انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ انہوں نے میاں، بیٹے اور بھائی کو دل کھول کر بُرا بھلا کہا کہ نبی ﷺ کے نواسے پر تو قیامت کا وقت پڑ رہا ہے، اُن کے بچے بھوک پیاس سے تڑپ رہے ہیں اور تم سواریوں میں بیٹھے سیر کر رہے ہو۔ اچھا ہوا تانگا الٹ گیا وغیرہ وغیرہ۔ میر فیاض حسین اور خواجہ سجاد حسین کو یہ بات ناگوار گزری کہ مولانا کو ایسی سخت باتیں کہی جائیں لیکن فرشتہ منش حالی نے صرف اتنا کہا: ''سیدانی غصے میں ہے اور حق پر۔ غلطی ہماری ہی تھی کہ آج کے دن سواری پر بیٹھے، وہ جو کہتی ہیں بجا ہے۔''

خواجہ سجاد حسین کی بیوی، اُن کے ماموں کی بیٹی تھیں اور وہ بھی اپنی پھوپی اور باپ کی طرح تیز مزاج تھیں اور ساس بہو میں اکثر نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ حالی اوپر کے کمرے میں بیٹھے لکھتے ہوتے اور یہ ساری باتیں سنتے مگر ایک لفظ نہ بولتے۔ بیوی کا بہت خیال کرتے تھے اور بہو کو بھی بہت چاہتے تھے، اکثر ان ہی جھگڑوں میں شام ہو جاتی تو وہ اپنا کام ختم کر کے اٹھتے اور کمرے کی کھڑکی کھول کر مسکراتے ہوئے شیریں لہجے میں جھک کر کہتے۔ ''بس بی بس ..... اب تو شام بھی ہو گئی۔ اب تو لڑائی تغاری (مٹی کا کونڈا جسے پانی پت میں تغاری کہتے تھے) کے نیچے دبا دو۔ اس وقت تو

بھٹیاریاں بھی نہیں لڑتیں۔''

کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی ازدواجی زندگی کامیاب تھی۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے اور اپنے اپنے فرائض پوری ذمے داری سے ادا کرتے تھے۔ دونوں کی زندگی کے دھارے الگ الگ تھے لیکن کہیں نہ کہیں آ کر مل بھی جاتے تھے۔

بی اسلام النساء کبھی اپنے شوہر کے کسی کام میں رکاوٹ نہیں ڈالتی تھیں۔ وہ جہاں چاہیں رہیں جو چاہیں کریں وہ دخل نہ دیتی تھیں اور گھر کی ساری فکریں اور پریشانیاں، ساری ذمہ داریاں بھی، جس حد تک پرانے زمانے کی کوئی عورت اٹھا سکتی تھی، نہایت خوش اسلوبی سے اٹھاتی تھیں۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے حقوق سے جَو بھر دستبردار نہ ہوتی تھیں اور اگر شوہر کی کوئی بات ناگوار ہوتی تو اس کے اظہار میں ذرا سا تامل نہ کرتیں۔

شادی بیاہ، نسبت ناتے اور ہر قسم کے اہم کام جو اولاد اور اولاد کی اولاد سے متعلق ہوتے، اُن میں حالؔی کی رائے سے زیادہ ان کی بیوی کی رائے کو اہمیت حاصل تھی۔ حالؔی کو جو وظیفہ ملتا تھا وہ سارے کا سارا بیوی کے ہاتھ میں رکھ دیتے اور پھر اس کے بارے میں الٹ کر نہیں پوچھتے تھے۔ ان کے ذاتی خرچ کے لیے زیادہ تر خواجہ سجاد حسین اُن کو کچھ روپے بھیج دیتے تھے۔

حالؔی نجی خطوں میں اکثر اپنی بیوی کا ذکر کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں ان کا کس قدر پاس تھا بیٹوں، بھتیجوں، پوتیوں وغیرہ کو ان کی طرف سے خاص طور پر سلام و پیام، دعا پیار اور اُن کی صحت کا حال لکھتے اور اُن کو باقاعدہ خط لکھتے رہنے کی تاکید کرتے۔ ہر خط میں کسی نہ کسی طرح اُن کا ذکر ضرور آتا ہے۔ اُن کا ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے بدلے میں حالؔی اور خواجہ سجاد حسین ایک دکان لینا چاہتے تھے۔ مگر یہ

تجویز مولانا کی بیوی کو پسند نہ تھی۔ اس بارے میں انہوں نے کئی خطوں میں بیٹے کو لکھا کہ بغیر ان کی مرضی کے دکان نہیں لینی چاہیے۔

''اگرچہ مناسب تو یہی تھا مگر مستورات کی بغیر مرضی کے تبادلہ نہیں ہوسکتا، خصوصاً تمہاری والدہ اس کے بہت خلاف ہیں۔''

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

''تمہاری والدہ اب اچھی ہیں اور کمزوری کے باوجود گھر کا سارا کام کاج کیے جاتی ہیں۔''

تمہاری والدہ نے باوجود کمزوری کے سب روزے رکھے اور باوجود اس کے سارا کام اگلے اور پچھلے کو خود کرتی رہیں۔ 1900ء میں بی اسلام النساء کا ہیضے سے انتقال ہوگیا۔ اُن کے انتقال پر مولانا حالی نے خواجہ سجاد حسین کو جو اطلاعی اور تعزیتی خط لکھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اپنی بیوی کی کتنی قدر تھی۔

''پرسوں تمہاری والدہ کو دس بجے رات کے اس کا (ہیضے کا) اثر ہوا اور کل نو بجے رات انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہ رَاجِعُون۔ اگرچہ اس حادثہ ناگہانی سے جو صدمہ سب عزیزوں اور متعلقوں اور ہمسایوں اور راہ چلتوں کو ہوا ہے، اُس کا بیان کرنا مشکل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کی اولاد کو سب سے زیادہ صدمہ ہوا ہے اور ہوگا۔ مگر میری جان! والدین کا اولاد کے سامنے گزر جانا والدین کی خوش نصیبی اور اولاد کا قدیم ورثہ ہے۔ تمہاری والدہ کی جیسی عمدہ زندگی اور عمدہ موت ہوئی ہے اُس کی ہر شخص کو تمنا ہونی چاہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے سعادت مند اولاد چھوڑی ہے اور ان کو بفضلہٖ تعالیٰ اچھی حالت میں چھوڑا ہے۔ ایک زمانے کو اپنا مداح اور ثنا خوان اور شکر گزار چھوڑا ہے۔ وہ اپنی حقیقی اور اصلی نیکیوں کی تمام عشیرہ میں ایک عمدہ مثال تھیں۔ انہوں نے ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کی خدمت گزاری سے مخدومیت کا درجہ حاصل کیا تھا۔ آخر وقت میں جب

تک اُن کو ہوش رہا برابر خدا کی یاد اُن کے وِردِ زبان رہی۔ جس شخص کی ایسی عمدہ زندگی اور ایسی عمدہ موت ہو اُس سے زیادہ کون خوش نصیب ہوسکتا ہے۔''

حالی کا ضبط دیکھیے کہ ذکر محض مرحومہ کی خوبیوں کا ہے۔ اپنے رنج وغم کے بارے میں ایک حرف نہیں۔ پھر بھی اُس کے ایک ایک لفظ سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حالی کی بی بی کیسی اعلیٰ سیرت کی مالک تھیں اور حالی کے دل میں اُن کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ حالی کو بیٹوں کے خطوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں سخت رنجیدہ ہیں تو کس طرح صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ ''تم کو چاہیے کہ اپنی والدہ کی محبت اور خوبیوں کو بہت مت یاد کیا کرو اور اس دعا کا ورد رکھو۔ ''الٰہی مجھے اپنی محبت اپنی جان سے اور اپنے کنبے سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ دے۔'' خدا ہم سب کو اپنی محبت عنایت کرے کہ یہی ہر ایک رنج وغم کا بہترین علاج ہے۔''

اولادیں:

حالی کے یہاں چھے بچے پیدا ہوئے۔ تین بچے جن میں اعتقاد حسین اور رقیہ بیگم شامل تھیں بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی زندہ رہے۔

(ا) خواجہ اخلاق حسین، پیدائش قبل از: 1857ء۔ وفات: 2/فروری 1924ء

(ب) عنایت فاطمہ، پیدائش: 1859ء۔ وفات: 1915ء

(ج) خواجہ سجاد حسین، پیدائش: 1861ء۔ وفات: جولائی 1946ء

خواجہ اخلاق حسین کو حالی کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے گود لے لیا تھا اسی لیے حالی ان کو برادر زادہ کہتے تھے۔ خواجہ اخلاق حسین کی چار اولادیں تھیں۔ بڑی بیٹی مشتاق فاطمہ تھیں جن کی شادی خواجہ غلام الثقلین سے ہوئی۔ اُردو ادب کے مایہ ناز ادیب خواجہ غلام السیدین اور معروف ادیبہ صالحہ عابد حسین ان ہی کی اولاد تھے۔ دو

بیٹے خواجہ احقاق حسین، خواجہ اکرام حسین اور چھوٹی بیٹی صدیقہ النساء اخلاق حسین کی آخری اولاد تھی۔

خواجہ اخلاق حسین کی اولاد نے اُردو شعر و ادب کی شمع جلائی رکھی ہے اور اس کی روشنی آج بھی ہمیں نظر آتی ہے۔ محترمہ سیدہ سیدین اور پروفیسر صغریٰ مہدی کا تعلق اسی خاندان سے ہے حالی کی بیٹی عنایت فاطمہ کی شادی خواجہ عبدالعلی سے ہوئی۔ ان کے دو بیٹے خواجہ فرزند علی اور خواجہ عبدالولی اور ایک بیٹی سعیدہ بیگم تھیں۔

حالی کے خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حالی اپنی گھریلو زندگی سے پریشان رہتے تھے جس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو ان کے داماد خواجہ عبدالعلی کچھ محنتی آدمی نہ تھے وہ ہمیشہ مختلف شہروں میں معمولی جگہ پر ملازم تھے اور اپنی بیوی بچوں سے لا پروا اور بیگانہ تھے اور ان کے خاندان کا سارا بوجھ حالی پر تھا۔ دوسری اہم وجہ حالی کے نواسے عبدالولی کو مرگی کی بیماری تھی جس نے حالی کا سکون چھین لیا تھا۔ حالی کی حالت ان کے ایک خط سے ظاہر ہے جو انہوں نے اپنے شاگرد عبدالرحیم خاں بیدل کو لکھا تھا۔ ''عبدالولی جس کے علاج کو دہلی گیا تھا اس کے صرع کے دورے تو رک گئے مگر جنون بڑھتا جاتا ہے میرا ناک میں دم ہے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ زندگی وبال ہوگئی ہے۔ یہ یقین ہو گیا ہے کہ زیست کے برس دو برس جو باقی ہیں بہت بری طرح سے گزریں گے۔''

حالی ذہنی اور مالی طور پر بہت پریشان تھے اور آخری عمر میں کسی سکون کے مقام کی تلاش میں تھے تاکہ اپنی نظم اور نثر کی تحریروں کو ترتیب دے سکیں لیکن انہیں اس کی فرصت نہ تھی۔ حالی نے اپنے نواسے کی بیماری پر ہزاروں روپیہ صرف کیا لیکن افاقہ نہ ہوا نواسے کا مزاج جنون کی کیفیت اختیار کرتا گیا اور بعض اوقات وہ آپے سے باہر ہو جاتا۔ چناں چہ ایک مرتبہ خواجہ عبدالولی نے مولانا سے گستاخی کی اور انہیں شدید

دھکا دیا جس سے مولانا گر پڑے۔ خواجہ سجاد حسین اُس وقت موجود تھے اُن کا مزاج بڑا حلیم تھا لیکن وہ کسی کی بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے بھانجے کو ڈانٹا اور ایک طمانچا بھی مارا۔ حالی کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور جب تک خواجہ سجاد حسین نے بھانجے کو منا نہیں لیا حالی نے اپنے لائق بیٹے سے بات چیت نہیں کی۔ وہ اس بیماری کے مارے غم زدہ نوجوان کی ذراسی دل آزاری کبھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

حالی کے دوسرے نواسے خواجہ فرزند علی نے حالی کی تصانیف کی اشاعت کا بندوبست کیا۔ چناں چہ حالی کی تصنیف مولود شریف کی پشت پر خواجہ فرزند علی کی حسب ذیل تحریر ہے: ''ایک عرصے سے پانی پت میں ایک مطبع جاری کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ مولانا حالی کی زندگی میں ان کے دوست جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم نے ایک مطبع اس نام کا جاری کیا تھا جو چند سال نہایت مفید کام کرنے کے بعد بند ہو گیا۔ اب میں نے اپنے نانا صاحب (مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی) مرحوم و مغفور کی یادگار میں ایک نیا مطبع بنام حالی پریس جاری کیا ہے اس کا مقدم مقصد یہ ہے کہ مولانا حالی مرحوم کی تمام تصانیف ایک سلسلے کی صورت میں اور ایک تقطیع پر چھپوائی جائیں اور ان کی تصحیح کا پورا اہتمام کیا جائے۔''

حالی کے چھوٹے بیٹے خواجہ سجاد حسین کا شمار اینگلو اورینٹل کالج کے پہلے تعلیم یافتوں میں کیا جاتا ہے۔ وہ اسکولوں کے انسپکٹر جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔ خواجہ سجاد حسین کی کاوشوں سے بہت سے اہم مسودے حالی کی تصانیف کے محفوظ ہو گئے اور شائع ہو کر عوام کی دسترس میں آئے۔

حالی اور فیملی:

حالی صحیح معنی میں کنبہ پرور تھے۔ وہ صرف اپنے بیمار نواسے کی بیماری سے

متفکر نہ تھے بلکہ اپنے دوسرے نواسوں، نواسیوں، پوتوں اور پوتیوں سے بھی پوری طرح پیار و محبت کرتے تھے اور انہیں تمام لڑکوں اور لڑکیوں کی صحت، تعلیم اور جذبات کا خیال رہتا ذیل کے چند واقعات ہماری بات کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ حالی ہمیشہ لڑکوں اور بچوں کے خط کا جواب اُسی پابندی سے دیتے جیسے بڑے آدمیوں کے خطوں کا۔ اُن کا طرزِ تحریر یوں بھی سادہ، شستہ اور آسان ہے لیکن عورتوں اور بچوں کو جب خط لکھتے تو خاص طور پر وہ لہجہ اور زبان استعمال کرتے تھے جس کو وہ اچھی طرح سمجھ سکیں اور ساتھ ہی اس کی کوشش بھی کرتے تھے کہ بہت خوش خط اور صاف صاف لکھیں تا کہ انہیں پڑھنے میں آسانی ہو۔

خواجہ فرزند علی کو لکھتے ہیں: ''میری جان اب کے لکھنے پڑھنے میں ایسی کوشش کرو کہ امتحان کے موقع پر پورا پورا طمینان رہے۔''

☆ خواجہ فرزند علی مولانا کے بڑے نواسے کھیل کود کے بڑے شوقین تھے۔ اسکول کی بندشوں سے گھبراتے اور کتابی تعلیم سے بھاگتے تھے۔ مولانا کو اُن کی تعلیم کی بڑی فکر رہتی تھی اور وہ ہر طرح اس کی کوشش کرتے تھے کہ اُن کا دل لکھنے پڑھنے میں لگے۔ خواجہ سجاد حسین اور خواجہ تصدق حسین کے نام سینکڑوں خطوں میں ان کا ذکر ہے۔ مولانا حالی نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ اعلیٰ تعلیم پائیں آخر اس کی طرف اُن کی توجہ نہ دیکھ کر انہیں ایف۔ اے کے بعد انجینئرنگ میں بھیج دیا تھا جہاں انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ خواجہ فرزند علی مرحوم بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ: ''دیکھو مولانا حالی کو مجھ سے کتنی محبت اور میرا کتنا خیال تھا کہ تقریباً ہر خط میں میرا ذکر موجود ہے۔''

☆ مولانا حالی کے بڑے بیٹے خواجہ اخلاق حسین ایک صوفی منش بزرگ تھے

اور وہ بھی خاندانی معاملات اور بچوں کی تعلیم وغیرہ کی کچھ زیادہ فکر نہ کرتے تھے۔ اس لیے اُن کے دونوں بیٹوں خواجہ احقاق حسین اور خواجہ اکرم حسین کی تعلیم وتربیت کی ساری ذمہ داری بھی مولانا حالی ہی پر تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''حقن (احقاق حسین) انگریزی میں تو چل نکلا ہے۔ مگر حساب میں ابھی تک صفر ہے۔ ابھی دھیان اور توجہ لکھنے پڑھنے میں پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن خصلتیں عمدہ معلوم ہوتی ہیں۔ اطاعت اور حکم برداری مزاج میں بہت ہے، کاہل نہیں ہے اور روز بروز قریب ہوتا جاتا ہے، گھر جانے کا کبھی نام نہیں لیتا۔ جس بات کو منع کرو پھر نہیں کرتا..... اگر اس کے دل میں کچھ شوق اور توجہ پیدا ہو جائے تو اسے علی گڑھ ظہور حسین وارڈ میں داخل کر دیا جائے۔''

☆ رشتے کے ایک پوتے کے فیل ہونے کی خبر سنی تو بہت افسوس ہوا۔ اُن کے والد کو خط لکھا جس میں اظہار افسوس کے ساتھ ہی کس دل سوزی سے لکھتے ہیں: ''طالب علم کتنا ہی بدشوق ہو مگر فیل ہونے کا رنج وملال سب کو یکساں ہوتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس کی دلجوئی کرنا چاہیے اور ملامت ونفرین سے احتراز کرنا چاہیے ..... کہہ دینا رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔ نہایت استقلال سے پھر کوشش کرو۔ ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہو گے۔''

☆ خواجہ غلام السیدین اُن کی پوتی کے بڑے بیٹے ہیں۔ اس لیے خاندان بھر کے لاڈلے تھے۔ جب ماں اپنے دادا کے ہاں جاتیں تو نیچے کے مکان میں دادی کے پاس ٹھہرا کرتی تھیں۔ اوپر دیوان خانے میں مولانا حالی رہتے تھے۔ سیدین مولانا سے بہت مانوس تھے۔ جب وہ نیچے سے اوپر چلے جاتے تو یہ نیچے سے پکارتے ''بابا'' اور مولانا آواز سن کر نیچے اترتے، بچے کو

پیار کرتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ سیدین پھر پکارتے ''بابا'' اور وہ پھر اسی طرح نیچے آتے پیار کرتے اور چلے جاتے۔ بچوں کو تو کسی بات کی تکرار میں مزہ آتا ہے۔ والدہ مرحومہ سنایا کرتی تھیں کہ سیدین جتنی مرتبہ انہیں ''بابا'' کہہ کر بلاتا وہ اس ضعیفی کے عالم میں ہر مرتبہ نیچے اُتر کر آتے اور اُسے پیار کرتے تھے۔

☆ سیدین صاحب کی چھوٹی بہن سیدہ خاتون (مرحومہ) بڑی پیاری، بھولی اور ذہین بچی تھی اور مولانا حالی اس بچی کو بے حد چاہتے تھے۔ انہوں نے سیدہ خاتون پر ایک چالیس بیت کی نظم بھی لکھی ہے۔ جو علاوہ ذاتی لحاظ سے دلچسپ ہونے کے اُن کے مشاہدے کی باریکی پر بھی روشنی ڈالتی ہے:

سیدہ کیسی پیاری بچی ہے — صورت اچھی، سمجھ بھی اچھی ہے
ہے ابھی دو برس کی خیر سے جان — پر ہے اچھے بُرے کی سب پہچان

اس نظم کو پڑھ کر جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچی سے مولانا کو کس قدر لگاؤ تھا۔ وہاں یہ اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بچوں کی طبیعت اور نفسیات کو بھی خوب سمجھتے تھے:

جھوٹ موٹ اُس کو گر ڈراتے ہیں — بات ڈر کی کوئی سناتے ہیں
پکے پن سے یقین نہیں کرتی — دیر تک ہے نہیں نہیں کرتی

اور

اوپری شکل سے ہے گھبراتی — ہے مگر جلد سب سے ہل جاتی

اوپر تلے کے بھائی بہن میں جو مزیدار لاگ ہوتی ہے۔ اُس کا ذکر دیکھیے:

پر ذرا بھائی سے ہے لاگ اُس کو — کیوں کہ اُوپر تلے کے ہیں دونوں
پس جہاں بھائی ماں کے پاس آیا — اور وہیں اس نے ہاتھ پھیلایا

جا لپٹی ہے دوڑ کر ماں سے بھائی سے کہتی ہے ہٹو یاں سے

اور کس پیار بھرے انداز میں بچی کی توتلی زبان کی تعریف کرتے ہیں:

یوں تو تھی جب ہی پیاری اس کی زبان جب کہ کرنے لگی تھی وہ غوغاں
پھر تو آتا ہے اس پہ اور بھی پیار ہوتی جاتی ہے جس قدر ہشیار
نہیں منہ سے نکلتے پورے بول بولتی ہے سدا ادھورے بول
لوٹ جاتے ہیں ہنستے ہنستے سب زرگری اپنی بولتی ہے جب

اس پوری نظم کو پڑھیے ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی بچوں کی سیدھی سادی پیاری زبان میں اُن سے باتیں کر رہا ہے۔

☆ حالؔی بچوں سے بہت محبت کرتے تھے اگرچہ وہ خاندانی رشتہ دار ہو یا ہمسایہ یا بیگانہ یہ فرشتہ صفت انسان کے درجنوں واقعات آج ایک صدی سے زیادہ وقت گزرنے پر بھی دل کو تڑپا دیتے ہیں اور ان کے اخلاق کا کلمہ پڑھوا دیتے ہیں۔

پانی پت میں ایک مرتبہ حالؔی کسی جگہ سے تانگے میں بیٹھے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک بھنگی کا چھوٹا سا لڑکا نالی میں گرا پڑا ہے اور کیچڑ اور گندگی میں لت پت پڑا چلّا رہا ہے۔ آس پاس بہت سے آدمی جمع کھڑے دیکھ رہے تھے اور رام رام کر رہے تھے مگر کوئی اُسے اٹھاتا نہیں۔ مولانا نے فوراً اپنا تانگا ٹھہرایا۔ پاس گئے بڑی آہستگی سے اُسے نالی میں سے نکالا۔ اپنے ہاتھ سے اُس کے کپڑے اتارے اور اس کے ماں باپ کا پتا پوچھ کر خود وہاں چھوڑ کر آئے۔ چلتے ہوئے لوگوں سے کہا: ''جس رام کا نام آپ جپ رہے ہیں اگر چاہتے تو اُسی رام کا جلوہ اس ننھے بچے میں آپ کو نظر آ سکتا تھا۔'' یہ ایک جملہ ایک کتاب پر بھاری ہے۔

اخلاق و کردار:

یہ سچ ہے کہ حالؔی کے اخلاق اور کردار کا کلمہ دوست دشمن سب نے پڑھا ہے۔ حالؔی ایک بلند مرتبہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ وہ عملاً میر انیسؔ کے شعر کے مصداق تھے۔

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

حالؔی معمولی سے معمولی شخص کی عزت اور شخصیت کا خیال رکھتے تھے۔ کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا دشنام دینا، کوسنا، غصہ کرنا، دھتکارنا وغیرہ تو ایک طرف کبھی کسی سے آواز بلند گفت گو نہ کی۔ حالؔی بچوں میں بچے، بیماریوں میں مسیحا، دردمندوں کے ہمدرد، غریبوں کے مددگار اور حاجت مندوں کے سہارا تھے۔ اگرچہ ان کی آمدنی قلیل تھی لیکن ان کا دل کشادہ تھا کیوں کہ ان کی فطرت میں قناعت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ کہتے ہیں:

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

انگریزی محاورہ ہے، "It is Difficult to be humble when you are great." مگر حالی نے اپنے کردار اور عجز و انکسار سے یہ ثابت کر دیا کہ عظیم شخص وہی ہے جس کے اخلاق اور کردار بلند ہوں۔ چونکہ اُردو ادب میں یہ گوہر نایاب خاص طور پر شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں میں خال خال ہے اِس لیے ہم چند معتبر اور مستند واقعات جو حالؔی کی فرشتہ صفت شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں یہاں پیش کرتے ہیں۔

شاعروں کی چشمک اور معرکہ آرائیوں سے اُردو کے قارئین بے خبر نہیں

ہیں۔ تعلّی شاعر کا پیدائشی حق تو ہے لیکن مشاعروں کی سیاسی تجلی اور بازی گری نے ادبی اور شعری آموزش گاہ کو شعرا کا دنگل بنا دیا ہے اس ماحول میں حالی کی سیرت کو دیکھیے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں: خواجہ اکرام اللہ مرحوم نے دہلی کے ایک مشاعرے کا حال مجھے سنایا تھا، جس میں خواجہ حالی مرحوم اور داغ مرحوم دونوں شریک ہوئے تھے۔ طرح تھی۔ ''خبر کہاں''، ''نظر کہاں''، داغ مرحوم کی غزل مشہور ہے:

اس مبتدا کی دیکھیے نکلی خبر کہاں

مشاعرے میں سب غزلیں پڑھ چکے تھے۔ خواجہ صاحب اور داغ مرحوم باقی رہ گئے تھے۔ پہلے شمع خواجہ صاحب کے سامنے آئی اور اُنہوں نے اپنی غزل سنائی:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں — اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق — رکھی ہے آج لذّتِ زخمِ جگر کہاں
حالی نشاط نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اَب — آئے ہو وقتِ صبح، رہے رات بھر کہاں؟

اکرام اللہ خاں مرحوم کہتے تھے، غزل تمام مشاعرے پر چھا گئی اور مدح و تحسین کا ایسا ہنگامہ گرم ہوا کہ لوگوں نے خیال کیا، اب داغ مرحوم کے لیے کچھ نہیں رہا۔ خود داغ نے کہا۔ ''اس غزل کے سننے کے بعد میری غزل خود میری نگاہ سے گر گئی، جی چاہتا ہے، پرچہ چاک کر دوں۔''

ایک عرصے کے بعد خواجہ صاحب مرحوم سے نیاز حاصل ہوا تو میں نے غدر کے بعد کے مشاعروں کا تذکرہ چھیڑ دیا اور خصوصیت کے ساتھ اس مشاعرے کا حال دریافت کیا۔ خواجہ صاحب حالات بیان کرنے لگے اور تفصیلات کی رو میں دور تک نکل گئے۔ لیکن پھر اچانک انہیں احساس ہوا کہ اب مجھے غزل کی مدح و تحسین کے واقعات بیان کرنے پڑیں گے، اس لیے کہتے کہتے یک قلم رک گئے۔ اَب میں ہر چند اصرار کر کے پوچھتا ہوں، فرمایئے، اس کے بعد کیا ہوا؟ لیکن وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ''جی

ہاں! بس غزل پڑھی گئی اور مشاعرہ ختم ہو گیا۔'' میں نے بار بار پوچھا: آپ کی غزل پر داغؔ مرحوم نے کیا خیال ظاہر کیا تھا؟ لیکن ''جی ہاں، کیا کہا جائے۔'' کے سوا اور کوئی جواب نہیں ملا ''جی ہاں'' کی ''ہآں'' کو وہ جس طرح تمدید کے ساتھ ادا کرتے تھے، اُسے قید کتابت میں لانے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں پاتا کہ ''جی ہاں'' کی ''ہآں'' پر ایک لمبی مد کھینچ دوں۔

حالیؔ کے پڑپوتے خواجہ غلام الحسنین اپنے مضمون ''حالیؔ'' میں لکھتے ہیں:

''خوش قسمتی سے مجھے تینتیس سال تک دہلی اور پانی پت میں مولانا کی خدمت سے فیض یاب ہونے کی عزت حاصل رہی۔ اگرچہ مجھے اس مدت میں بوجہ ملازمت سررشتہ تعلیم ساڑھے چار سال تک پانی پت سے باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ تاہم تعطیلات میں اور رخصت لے کر بھی اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور چونکہ مجھ کو مولانا سے قرابت قریبہ حاصل تھی اس لیے کسی وقت بھی ان کی خدمت میں کوئی رکاوٹ میرے لیے نہیں تھی، خواہ مولانا اندر تشریف رکھتے ہوں، یا باہر مردانہ مکان میں۔ اور بعض اوقات گھنٹوں ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ان وجوہ سے مولانا کی نشست و برخاست، اخلاق و آداب، عادات و خصائل، المختصر ان کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کے متعلق اصلی حالات معلوم کرنے کے بے شمار مواقع جو مجھے حاصل ہوئے کسی کو حاصل نہ ہوئے۔ اس کے علاوہ میں نے مولانا کے کلام کا مطالعہ بھی بہت کچھ کیا ہے اور جو کچھ ان کے کلام میں پایا ہے، وہی ان کی عملی زندگی میں دیکھا۔ لہٰذا میرے بیان کا دارومدار سنی سنائی پر نہیں، بلکہ ذاتی مشاہدات اور ان واقعات پر ہے جن کی تصدیق خود مولانا کے قلم یا زبان سے ہو چکی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب اپنے ایک مضمون میں مولانا حالیؔ کے متعلق لکھتے ہیں:

''ایک بڑے شخص کا قول ہے کہ ادیب کا کلام اس کے دماغ کا

آئینہ ہوتا ہے۔ اگر اس معیار پر مولانا حالؔی کے کلام کو جانچا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی سیرت اور ان کی حیات سرتا پا ان کے کلام میں موجود ہے۔ وہ مجسم ہمدردی اور مجسم درد تھے اور یہی ان کے کلام کی خصوصیت ہے۔ ان کا ہر ایک مصرع درد بھرا تڑپتا ہوا جگر پارہ ہے۔ ہماری زبان میں اور بھی ایسے شاعر ہوئے ہیں جن کے کلام میں عجیب اثر اور درد ہے۔ لیکن ان کا درد ذاتی اور محدود ہے۔ حالؔی کا درد ساری قوم کا درد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے پُر درد نغموں نے قوم کے دلوں کو ہلا دیا۔ سوتوں کو جگا دیا اور کاہلوں کو ہوشیار کر دیا۔''

میرے بھائی آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم جو ہر بات کو نہایت گہری نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے مولانا کی وفات پر جو 31/دسمبر 1914ء کو واقع ہوئی، اپنے اخبار ''عصر جدید'' میں ان کی سیرت کے متعلق نہایت جچی تلی رائے لکھی تھی جس پر میں اس تقریر کو ختم کرتا ہوں:

''مولانا یونانی خیالات کی رُو سے ایک معتدل اور متوسط کامل انسان اور صوفیہ خیالات کی رُو سے ایک صاحب باطن ولی تھے۔ کبھی کسی کی برائی ان کی زبان سے نہیں سنی گئی۔ ہر شخص کے عیب کی نرم تاویل کرنا پسند فرماتے تھے۔ عزیزوں سے محبت رکھتے تھے۔ غریبوں کی امداد کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ کسی مذہب کے قائل سے سچ اور عمدہ بات سنتے تھے تو اس کی قدر کرتے اور تعریف کرتے تھے۔ مذہباً نہایت بے تعصب تھے۔ آپ بلند خیال، بے نفس، محب اہل بیت اور صوفی منش سنی تھے۔ مسلمانوں

کے مذہبی اختلافات کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے اور طریقِ نماز کے علاوہ اور کسی طرح اختلاف کے اظہار کو پسند نہ کرتے تھے۔ ان کی اولاد اور خاندان میں دونوں طریقہ کے لوگ موجود ہیں اور وہ کسی کو یہ نہ کہتے تھے کہ وہ کیا طریقہ اختیار کرے۔ ان کے پاس بیٹھنے اور باتیں سننے سے نہایت بد باطن شخص بھی روحانی فیض پاتے تھے۔ عدل اور میانہ روی مولانا کی خاص صفت تھی۔ اس کے ساتھ رحم و مروّت۔ پانی پت بلکہ اس تمام علاقے کو فخر ہوسکتا ہے کہ ایسا انسانِ کامل اس میں پیدا ہوا جس نے خود کو کبھی غیر معمولی آدمی بھی نہ سمجھا۔ اخلاق میں، عادات میں، برتاؤ میں، مروّت میں، فیاضی میں اعلیٰ درجہ کا اعتدال تھا۔ عزیزوں اور اولاد کی محبت، تعلیم کا خیال، عالم کی خیر خواہی، نیک آدمیوں کی قدر دانی میں ان کی مثال ضرور ملے گی مگر کم۔ آخر زمانے میں جبکہ دماغ بیکار ہو گیا تھا اور لوگ اپنی عادت کے موافق مختلف خیالات سے جنگ کی خبروں کا ذکر کرتے تھے تو مولانا مرحوم جب بہت سے آدمیوں کے مقتول ہونے کا ذکر سنتے تھے تو اس قدر تاسف سے آہ کرتے تھے گویا خود اپنے کسی عزیز کے مرنے کی خبر سنی ہو۔ خدمت گار اُن کو الگ روتے ہیں کہ ایسا آقا دیکھا نہ تھا۔ یہی حالت رشتہ داروں اور اہل شہر کی ہے۔ قوم میں بھی کچھ کم افسوس نہ ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔''

بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے حالی کی سیرت میں دو خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ ایک سادگی دوسرے درد دل یہ دونوں خصوصیتیں ان کے کلام میں بھی ہیں، سیرت

میں ہیں۔ دراصل ان کا کلام اور ان کی سیرت ایک دوسرے کا عکس ہیں۔

نواب عماد الملک کہتے تھے سرسید کی جماعت میں بحیثیت انسان کے حالی کا مرتبہ بہت بلند تھا اس بات میں سرسید بھی نہیں پہنچتے تھے۔

حالی ہر چھوٹے اور بڑے سے خلوص اور محبت سے ملتے تھے وہ بڑوں اور چھوٹوں کا ادب کرتے تھے علی گڑھ کی طالب علمی کے زمانے میں جب عبدالحق اور حمید الدین حالی سے ملنے گئے تو وہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حمید الدین نے کہا کہ آپ تعظیم کر کے ہمیں شرمندہ کرتے ہیں تو کہنے لگے: ''آپ لوگوں کی تعظیم نہ کروں تو کس کی تعظیم کروں۔ آیندہ آپ ہی تو قوم کے ناخدا ہونے والے ہیں۔''

اپنی کتابوں پر جو اصلی معنوں میں تصنیف ہوتی تھیں ہمیشہ ''مرتبہ'' لکھا مولفہ یا مصنفہ کا لفظ نہ لکھا۔ رفتار و گفتار، رہن سہن ملنے ملانے میں اتنی سادگی اور خاکساری تھی کہ ملنے والے کو مشکل سے یقین ہوتا کہ یہ اُردو کا عظیم شاعر و ادیب حالی ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حالی نے اپنے ہم عصروں کی کتابوں پر عمدہ ریویو کیے انہیں سراہا لیکن اُنہی ہم عصروں نے سوائے سرسید کے حالی کی تصانیف پر خاموشی اختیار کی جس کا حالی نے کبھی نوٹس نہیں لیا بلکہ ان کی حمایت میں کہتے اور لکھتے رہے۔

مولوی ظفر علی خان نے ''دکن ریویو'' میں شبلی کی کتاب پر بے جا شوخی سے کام لیا تو حالی نے محبت بھرے جملوں سے نصیحت کرنی شروع کر دی۔ میں تنقید سے منع نہیں کرتا تنقید بہت اچھی چیز ہے اور اگر آپ لوگ تنقید نہ کریں گے تو ہماری اصلاح کیوں کر ہو گی لیکن تنقید میں ذاتیات سے بحث کرنا یا ہنسی اڑانا منصب تنقید کے خلاف ہے۔

1903ء میں جب مولوی فضل الحسن حسرت موہانی نے علی گڑھ سے ''اُردوئے معلیٰ'' جاری کیا تو جدید شاعری کے اِس مجدد اعظم پر بھی اعتراضات کا ایک

لامتناہی سلسلہ شروع کیا۔ مولانا کے پاس اگرچہ 'اردوئے معلیٰ'' باقاعدہ پہنچتا تھا مگر نہ آپ نے کبھی اعتراضات کا جواب دیا اور نہ مخالفت پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

علی گڑھ کالج میں کوئی عظیم الشان تقریب تھی۔ نواب محسن الملک مرحوم کے اصرار پر مولانا حالی بھی اس میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے اور حسب معمول سید زین العابدین مرحوم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ایک صبح حسرت موہانی دو دوستوں کو ساتھ لیے ہوئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چندے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوا کیں، اتنے میں سید صاحب موصوف نے بھی اپنے کمرے سے حسرت کو دیکھا۔ اِن مرحوم میں لڑکپن کی شوخی اب تک باقی تھی۔ اپنے کتب خانہ میں گئے اور ''اردوئے معلیٰ'' کے دو تین پرچے اُٹھا لائے۔ حسرت اور اُن کے دوستوں کا ماتھا ٹھنکا کہ اب خیر نہیں اور اُٹھ کر جانے پر آمادہ ہوئے۔ مگر زین العابدین کب جانے دیتے۔ خود پاس بیٹھ گئے، ایک پرچے کے ورق اُلٹنا شروع کیے اور مولانا حالی کو مخاطب کر کے حسرت اور اُردوئے معلیٰ کی تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ کسی کسی مضمون کی دو چار سطریں پڑھتے اور ''واہ! خوب لکھا'' کہہ کر داد دیتے تھے حالی بھی ''ہوں ہاں'' سے تائید کرتے جاتے تھے۔ مگر حسرت کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

اتنے میں سید صاحب مصنوعی حیرت بلکہ وحشت کا اظہار کر کے بولے، ارے مولانا یہ دیکھیے آپ کی نسبت کیا لکھا ہے اور کچھ اِس قسم کے الفاظ پڑھنا شروع کیے ''سچ تو یہ ہے کہ حالی سے بڑھ کر مخرب زبان کوئی ہو نہیں سکتا اور وہ جتنی جلدی اپنے کو اردو کی خدمت سے روکیں اتنا ہی اچھا ہے۔''

فرشتہ منش حالی ذرا مکدر نہیں ہوئے اور مسکرا کر کہا تو یہ کہا کہ ''نکتہ چینی اصلاحِ زبان کا ایک بہترین ذریعہ ہے اور یہ کچھ عیب میں داخل نہیں۔''

کئی روز بعد ایک دوست نے حسرت سے پوچھا کہ حالی کے خلاف اب بھی

کچھ لکھو گے؟ جواب دیا کہ جو کچھ لکھ چکا ہوں اسی کا ملال اب تک دل پر ہے۔

حالی کے اخلاق اور کردار کے جو دوست اور دشمن مداح تھے وہ ان کی انسانیت تھی۔ افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کو دہرانا پڑتا ہے کہ بڑے بڑے لوگوں میں انسانیت کے جوہر کی کمی دیکھی گئی ہے۔ حیدرآباد دکن کی علمی اور ثقافتی تہذیب کے نمایاں شخص عماد الملک سید حسین بلگرامی جو سرسید کے قریبی دوست بھی تھے کہتے تھے، سرسید احمد خان کی جماعت میں کوئی شخص انسانیت کے اعتبار سے حالی کے پایہ کا نہ تھا اور اس خاص بات میں خود سرسید احمد خاں بھی انہیں نہیں پہنچتے تھے۔

حالی نے خود انسانیت کی تعریف سرسید احمد خان کے فارسی مرثیے میں کی ہے جو سچ کہیں تو حالی ہی پر صادق آتی ہے:

چیست انسانی! تپیدن از تپ ھمسایگان
از سموم نجد در باغِ عدن پژماں شدن

(انسانیت کیا ہے! ہمسایوں کے رنج اور زحمت سے رنجیدہ رہنا۔ جنت میں بھی نجد کی گرم و زہریلی ہوا کے احساس سے افسردہ اور مرجھائے ہوئے رہنا)

خوار دیدن خویش را از خواری ابنائے جنس
درشبستاں تنگ دل از محنت زنداں شدن

(اپنے کو تمام کم ترینوں سے کم تر سمجھنا اور قفس کی تکلیف دہ زندگی کے احساس سے محل میں بھی بے چین رہنا)

آتش قحطی کہ در کنعان بسوزد باغ و کشت
برفراز تخت مصر از تاب آں بریاں شدن

(وہ قحط کی آگ جس سے مصر کے باغ اور کھیت جل چکے اس کی گرمی اور جلن سے تخت شاہی مصر پر بھی بھن جانا)

بی مڑیا کی نگہداشت:

حالؔی ایک فرشتہ صفت انسان تھے۔ غدر میں دلی اجڑی اور کئی شریف خاندانوں کی عورتیں پانی پت کے گردونواح میں عزت و جان بچانے کے لیے زندگی بسر کرنے لگیں۔ ان ستم زدہ بدبخت افراد میں بی مڑیا بھی شامل تھی جنہوں نے حالؔی کے گھر میں پناہ لی اور ساری عمر حالؔی کے کنبے کے ساتھ گزار دی۔ صالحہ عابد حسین یادگار حالی میں لکھتی ہیں کہ ایک اَسّی (80) سالہ بوڑھی بی مڑیا کو خود انہوں نے دیکھا تھا جو غدر میں دس سال کی تھیں، عقد ہو چکا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ غدر کا ہنگامہ برپا ہوا۔ شوہر، ماں باپ عزیز و اقارب سب مارے گئے اور اس اکیلی کم سن لڑکی نے حالؔی کے گھر میں پناہ لی اور ساری عمر چھوٹے موٹے کام جیسے سلائی، کشیدے کاری وغیرہ کر کے اپنا خرچ چلاتی رہیں اور عزت و خودداری سے زندگی گزار دی۔ حالؔی کے انتقال کے بعد ان کی پوتی مشتاق فاطمہ نے بی مڑیا کی اس طرح خدمت کی جیسے ایک بیٹی اپنی ماں کی خدمت کرتی ہے۔ ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالؔی صرف جذباتی شاعری ہی نہیں کرتے تھے بلکہ عملی طور پر جس قدر بھی ہو سکے عورتوں کے مسائل کو حل کرنے میں پیش پیش رہتے۔

نوکروں سے برتاؤ:

حالؔی کے دو خاص ملازم تھے۔ نانوں خان اور عطاء اللہ۔

حالؔی ان دونوں ملازموں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کبھی کبھار نانوں خان جب سجاد حسین کے ساتھ دوسرے شہر جاتا تو اس کی نگہداری کی تاکید کرتے اور نانوں خان کو خط لکھنے کی تاکید بھی کرتے۔ ایک مرتبہ نانوں خاں غلطی سے کروسین تیل گھی سمجھ

کر پی گیا۔

حالؔی نے فوراً ڈاکٹر کو بلوایا اور نواب لوہارو کے ہاں کی دعوت کو جانا ملتوی کر دیا۔ عطاء اللہ مزاج کا سخت اور بہت اونچا سنتا تھا لیکن وہ بھی حالؔی کا چہیتا تھا جس کو حالی اپنی جا کٹ رضائی اور کھانے پینے کی اشیا دیتے رہتے تھے۔ حالؔی کے انتقال کے بعد یہ دونوں ملازمین دن رات ان کے گن گاتے رہتے تھے۔

مولانا روم نے بہت صحیح انہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے:

دل بدست آرد کہ حج اکبر است
از ھزاراں کعبہ یک دل بہتر است

مذہب:

حالؔی کی پڑپوتی صالحہ عابد حسین یادگار حالی میں لکھتی ہیں۔ حالؔی عقیدتاً حنفی سنی مسلمان تھے اور حالؔی کی بیوی شیعہ تھی۔ وہ حنفی المذہب سنی تھے لیکن اہل بیت اطہار سے اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے انہیں بڑے بڑے شیعوں سے زیادہ عقیدت تھی۔ ان کا یہ شعر اس احترام اور عقیدت کا پورا ثبوت دیتا ہے:

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیری محبت تری عترت کی وِلا ہے

پانی پت میں صرف اُن کے خاندان کے شیعہ حضرات ہی نہیں بلکہ شہر بھر کے شیعہ اُن کے مذہبی عقیدے کی بھی اُسی طرح عزت کرتے تھے جس طرح ان کی ذات کی۔ جب حالؔی کی وفات ہوئی تو شاید پہلی مرتبہ پانی پت میں شیعوں اور سنیوں دونوں نے ایک ہی شخص کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے بعد یہی واقعہ مولانا حالؔی کی پوتی کی وفات پر ہوا جو اپنے دادا ہی کی طرح بے تعصبی اور عالی ظرفی میں ضرب المثل تھیں۔

آں حضرت ﷺ سے حالی کو وہ گہری عقیدت اور والہانہ عشق تھا جس کا ثبوت ہر اُس شعر سے مل سکتا ہے جو انہوں نے ہادی برحق ﷺ کی شان میں کہا ہے۔ انہوں نے جہاں کہیں اس موضوع پر لکھا ہے قلم توڑ دیا ہے۔ ''مسدس حالی'' کے چند نعتیہ بند اردو شاعری کے سارے نعتیہ کلام پر بھاری کہے جا سکتے ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بَر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
غریبوں کا ملجا ضعیفوں کا ماوٰی
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

قناعت:

قناعت ایک خداداد انسانی قدر ہے جسے انسان اپنے نفس کی پاکیزگی سے نمو دیتا ہے میر انیسؔ نے کہا تھا

کریم جو تجھے دینا ہے بے طلب دے دے
فقیر ہوں پہ نہیں حاجتِ سوال مجھے
کسی کے سامنے کیوں ہاتھ جا کے پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

انسان کو جینے کے لیے معاش اور روزگار کی ضرورت ہے۔ زندگی کی گاڑی کا ایندھن یہی روپیہ اور مال ہے جس سے پیٹ کی آگ بجھائی اور بدن کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔ حالی کی زندگی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اوائل

زندگی سے آخری عمر تک کبھی حریص وطمع نہیں کیا بلکہ قانع رہے جو کچھ بھی انہیں روزگار نے فراہم کیا۔ انیسؔ کا شعر حالیؔ کی وضع داری اور قناعت پر صادق ہوتا ہے:

کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

واقعہ:

جب حیدر آباد کے نواب سر آسمان جاہ نے حالیؔ کی شعری اور ادبی کاوشوں سے متاثر ہو کر انہیں ماہانہ وظیفہ دینے کا فیصلہ کیا تو سرسید نے پوچھا آپ کو گذر بسر کرنے کے لیے کتنا وظیفہ چاہیے۔ حالیؔ نے جواب دیا۔ مجھے اینگلو عربک اسکول سے جو ساٹھ روپے ماہوار ملتے ہیں تو حیدر آباد کے سکہ رائج الوقت کے پچھتر روپے ہوتے ہیں یہی میری زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہے۔

☆ لاہور کے قیام کے دوران ڈاکٹر لٹز کی ارضیات پر کتاب کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا جو بعد میں گورنمنٹ کالج کے نصاب میں شامل رہی۔ حالیؔ نے اس ترجمہ اور کتاب کو کالج کے لیے بغیر کسی معاوضہ کے انجام دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ حالی لاہور میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور تھوڑے سے پیسوں کی خاطر اپنے وطن اور اہل وعیال سے دور تھے اور خاندان کی ساری ذمہ داریاں حالیؔ پر تھیں۔

☆ حالیؔ نے اپنی تصنیفات سے مالی فائدہ نہیں اٹھایا۔ سوائے ایک آدھ کتاب کی رجسٹری یا حقوق محفوظ کروائے ہوں گے ان کی تمام تر کتابیں پبلشرز جب چاہتے شائع کر کے فائدہ اٹھا لیتے۔ مسدس حالیؔ کے درجنوں ایڈیشن شائع ہوئے لیکن حالی کو کوڑی بھی نہیں ملی شاید اُردو ادب میں اس قسم کے

استحصال کی دوسری مثال نہ ہو۔

☆ حالؔی نے اپنی تمام تر زندگی ایک معمولی مکان میں گزار دی۔ آخری عمر میں چھوٹے بیٹے سجاد حسین جو گورنمنٹ کے بڑے عہدے پر فائز تھے ایک قطعہ زمین لے کر نسبتاً آرام دہ گھر بنایا جس کے اوپری حصے میں حالؔی رہتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ حالؔی کے ہمدرد عالی شان بنگلوں اور کوٹھیوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ وقار الامرا نے حیدر آباد میں اپنے رہنے کے لیے ایک عظیم الشان محل فلک نما بنوایا تھا جس کا ذکر حالؔی نے اپنی نظم میں بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے حالؔی کا یہ مکان دیکھا ہے جس کے مالک اُس وقت ایک سردار صاحب تھے۔ ہمیں پتا نہیں اس عظیم شخص نے جس گھر میں پچیس برس گزارے ہوں وہ اب کس حالت اور کس کی تحویل میں ہے۔ کیا عمدہ ہوتا اگر اس گھر کو حالی میوزیم میں تبدیل کر کے ان کے نادرات کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جاتا۔ پروفیسر عزیز الدین ڈایریکٹر رام پور لائبریری نے راقم کو بتایا کہ انہوں نے گورنر قدوائی کی مدد سے اس مکان کو حالی میوزیم میں محفوظ کروایا ہے۔

☆ حالؔی کی مالی حالت خستہ اور کمزور ہونے کی وجہ سے بہت سے کام وہ اپنی زندگی میں نہ کر سکے۔

(ا) حالؔی دلّی میں ایک مطبع کھولنا چاہتے تھے تاکہ فارسی عربی اور اُردو کی عمدہ نایاب اور کم یاب کتابوں کو عمدہ طریقے پر شائع کر سکیں لیکن پیسہ نہ ہونے سے یہ خواب شرمندہ تعبیر رہا۔

(ب) حالؔی ایک عمدہ میگزین نکالنا چاہتے تھے لیکن یہ کام بھی مالی مشکلات نے انجام ہونے نہ دیا۔

(ج) حالؔی اپنی تصانیف بھی اچھی طرح سے شائع نہ کر پائے۔ حالؔی کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بیٹے خواجہ سجاد حسین اور نواسے خواجہ فرزند علی نے حالی پریس قائم کر کے حالؔی کی کتابوں کو شائع کیا۔

☆ مختلف واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالؔی کو جو کچھ بھی ملتا تھا وہ اپنے اقربا رشتہ دار اور غریبوں میں صرف کر دیتے تھے۔ جب کبھی کسی شہر جاتے وہاں سے تحفے سوغات خصوصاً خاندان کی لڑکیوں اور عورتوں کے لیے ضرور لاتے۔ یادگار حالؔی میں کئی واقعات ملتے ہیں۔

☆ حالؔی کے ملازم عطاء اللہ کے واقعات میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے تذکرۂ حالی میں لکھا ہے کہ حالؔی اپنے بنوائے کپڑے عطاء اللہ کو دے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں جب عطاء اللہ نے حالی سے کہا کہ رات کو بڑی سردی لگتی تو حالؔی نے اپنی نئی بنوائی ہوئی رضائی عطاء اللہ کو دے دی جب اُس نے کہا کہ یہ تو آپ نے کل ہی بنوائی ہے کوئی پرانی رضائی دے دیجئے تب حالؔی نے کہا یہ تم لے لو ہم اور بنوالیں گے۔

مسافرت:

حالؔی پانی پت میں پیدا ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ تقریباً زندگی کا ایک چوتھائی حصہ مختلف شہروں میں گزرا۔ زندگی کا پہلا سفر پانی پت سے دلّی کا پیدل کیا جو حصول علم کا آغاز تھا اور آخری سفر فرید آباد کا تھا جو ان کی تخلیقات کی جمع آوری کا تکملہ تھا۔

حالؔی سات سال جہانگیر آباد، چار سال لاہور اور کئی سال دہلی میں اور متعدد بار مقیم رہے۔ علی گڑھ حیدر آباد کراچی الٰہ آباد بھوپال آگرہ بمبئی کے علاوہ ایک درجن

سے زیادہ مقامات پر جاتے آتے رہے۔ صحت کی کمزوری، سفر کی تکالیف ان کے مقاصد میں حائل نہ ہوسکیں۔

شمس العلماء کا خطاب:

حالی کو جون 1904ء میں شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔ حالی کو 1875ء میں ان کی تصنیف مجالس النساء پر چار سو روپے کا انعام دیا گیا تھا۔ ان دونوں واقعات میں تیس سال کا فرق ہے۔

ڈاکٹر خلیق انجم کی یہ تحریر کہ شمس العلماء کا خطاب اور انعام حالی کو جون 1904ء میں پیش کیا گیا صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ خود ڈاکٹر خلیق انجم نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''کوشش کے باوجود مجھے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ حالی کو شمس العلماء کا خطاب اور چار سو روپے کا انعام دونوں ایک ساتھ ملے تھے یا الگ الگ۔''

حالی اگرچہ اس خطاب کے بہت پہلے ہی سے حق دار تھے لیکن بعض مصلحتوں کی وجہ سے یہ خطاب انہیں عمر کے آخری حصے میں نصیب ہوا۔ حالی کو جب یہ خطاب ملا تو وہ فکر مند اور نگران بھی رہے چناں چہ اپنے چھوٹے بیٹے خواجہ سجاد حسین کو لکھتے ہیں:

> ''خطاب کی تحریک جہاں تک معلوم ہوئی ہے برخوردار تصدق حسین نے معرفت ڈائریکٹر صاحب کے دربار تا جپوشی سے بہت پہلے کی تھی۔ کیوں کہ انہوں نے ڈائریکٹر صاحب کو دینے کے لیے میرے پاس سے میری سب کتابیں اس زمانے میں منگوائی

تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر آرنلڈ نے ڈائریکٹر صاحب کو میرے حالات سے بخوبی مطلع کر دیا تھا اور اس باب میں بھی تصدق حسین برخوردار نے بہت کچھ تائید کی تھی۔ کیوں کہ خطاب کے شائع ہونے کے بعد انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ میں نے ڈائریکٹر صاحب کو اور آرنلڈ صاحب کو اسی معاملے کے متعلق ولایت چٹھیاں بھیجی ہیں۔ ..... اس سے پہلے سائم صاحب کے زمانے میں ماسٹر پیارے لال صاحب نے میرے اور مولانا نذیر احمد صاحب کے لیے ضروری تحریک کی تھی۔ مگر اس وقت معلوم نہیں کیوں التوا ہوا۔

اگرچہ گورنمنٹ کی طرف سے یہ ایک ایسا اعزاز ہے جس کی ہمارے ہم چشم آرزو رکھتے ہیں۔ مگر مجھے تو ایک مصیبت معلوم ہوتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں کسی حاکم یا افسر سے کبھی نہ ملتا تھا اور ایسے مواقع سے ہمیشہ الگ تھلگ رہتا تھا۔ مگر اب جب کوئی حاکم ضلع پانی پت میں آوے گا یا جب کوئی نیا ڈپٹی کمشنر کرنال میں بدل کر آوے گا لامحالہ وہاں جانا پڑے گا۔ آج چوتھا روز ہے کہ ٹامسن صاحب ڈپٹی کمشنر کرنال کی خدمت میں حسب تحریر برخوردار تصدیق حسین کے گیا تھا وہ چوں کہ نہایت مہذب اور خلیق ہیں بہت اچھی طرح ملے اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں آج ہی پانی پت جاتا ہوں وہاں تفصیلی ملاقات ہو گی۔ چناں چہ وہ تین روز سے یہاں آئے ہوئے ہیں اور کل اُن کے ملنے کو جاؤں گا۔ انہوں نے میری کتابوں کے دیکھنے کی بھی خواہش کی ہے وہ بھی اِدھر سے اُدھر سے

مانگ تانگ کر لے جاؤں گا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ قلندر صاحب اور کابل باغ وغیرہ عمارتِ قدیمہ کے دیکھتے وقت مجھے بھی بلایا جاوے گا۔ بھلا میں کہاں اور یہ دردِ سر کہاں؟''

پوشاک:

حالی کے بیٹے سجاد حسین کہتے ہیں۔ حالی کی پسند نفیس تھی۔ کپڑا خریدتے تو بہت دیکھ بھال کر کے رنگ ڈیزائن اور قسم سب موزوں ہو۔ جوانی میں باریک اور نفیس کپڑا پہننا پسند کرتے تھے چونکہ سودیشی کے حامی تھے اس لیے اگر پانی پت کی بنی ہوئی باریک کھدر مل جاتی تو اس کے کپڑے پہن کر خوش ہوتے۔ عام طور سے کرتا پاجامہ اور اچکن پر سردیوں میں چوغہ یا روئی کا دگلہ پہن لیتے گلے میں مفلر اور سر پر گول سی ٹوپی بھی پہن لیتے۔

خوراک:

حالی کی خوراک کم اور سادہ تھی۔ ترکاریاں بہت پسند تھیں۔ پھلوں میں آم اور خربوزوں کے عاشق تھے۔ آم کی شناخت تھی اور اچھے آم خریدتے تھے۔ چائے اور بسکٹ ہمیشہ تیار رکھتے۔ پان تمباکو اور افیون کی گولیاں کھاتے حقے کا استعمال بھی ہر روز کرتے رہتے۔ آخری عمر میں دانتوں کی تکلیف کی وجہ سے پان کھانے میں کمی کر دی تھی۔ خوراک میں انتخاب اور اعتدال تھا جو آخری عمر تک برقرار رہا۔

آغاز شاعری:

ہمیں تحقیق اور تلاش کے باوجود یہ صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ حالی نے کس عمر میں شعر کہنا شروع کیا اور ان کا پہلا شعر یا پہلی غزل کون سی ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ حالیؔ فطری شاعر تھے چناں چہ دہلی جانے سے پہلے ہی یہ شاعری کا پودا ان کے دل و دماغ میں نشوونما پانے لگا جس کا ایک سبب پانی پت میں موجود حالیؔ کے استاد سید جعفر علی تھے جو ممنون دہلوی کے بھتیجے اور داماد بھی تھے جن سے فارسی لٹریچر کی کتابیں پڑھی تھیں اس وقت حالی کی عمر پندرہ سولہ برس سے بھی کم تھی۔ اس کی دوسری وجوہات میں حالی کا حافظہ، گیرائی اور مشاہدے کی گہرائی کے علاوہ بچپن ہی سے رنج و مصائب سے دو چار ہونے کے سبب دل و دماغ کا سوز و گداز بھی تھا۔اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حالیؔ جب پہلی بار ڈیڑھ سال دلی میں رہے اس وقت ادبی اور شعری محفلوں میں شرکت کرتے تھے غالباً دوسری بار جب 1861ء میں ملازمت کی تلاش میں دلی آئے تو شعر و سخن کی محفلوں میں شرکت کرنے لگے۔ دہلی میں محمد اکرام خان شیدا کا دیوان خانہ ادبی مرکز بنا ہوا تھا جہاں شعر و سخن کی محفلیں ہوتی تھیں جن میں سید انور، سید ظہیر اور مرزا سالک کے ساتھ حالیؔ بھی شریک بزم رہتے۔ حالیؔ اپنی کہانی میں لکھتے ہیں:

> ''جس زمانہ میں میرا دلی جانا ہوا تھا۔ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ مرحوم کی خدمت میں اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ میں نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا اور چند فارسی قصیدے انہوں نے اپنے دیوان میں سے مجھے پڑھائے بھی تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکر شعر کرنے سے منع کیا کرتے تھے مگر میں نے جو ایک آدھ غزل اردو یا فارسی کی لکھ کر ان کو دکھائی تو انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ اگرچہ میں کسی کو فکر شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا لیکن تمہاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے

تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔ مگر اس زمانے میں ایک دو
غزل سے زیادہ دلی میں شعر لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

حالیؔ کی اس تحریر سے یہ پتا چلتا ہے کہ انہوں نے تئیس (23) چوبیس (24) برس کی عمر میں شعر گوئی شروع کی۔ غالبؔ کی نصیحت نے حالیؔ کو پابند مشق سخن کر دیا تھا لیکن بعد میں وہ ہمیشہ فکر شعر گوئی میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانے میں وہ دلّی کے ماحول سے متاثر رہ کر عشقیہ شعر کہتے اور عاشقانہ اشعار پسند کرتے تھے۔

پڑھنے کا انداز:

حالیؔ کے شعر پڑھنے کا انداز فطری اور پر تاثیر تھا۔ وہ تحت اللفظ پڑھتے تھے اور آواز میں دلکشی تھی۔ مولوی عبدالحق نے انہیں کئی جگہ پڑھتے سنا تھا چناں چہ اپنی کتاب ''چند ہم عصر'' میں لکھتے ہیں:

''آج کل تو ہمارے اکثر شاعر لَے سے یا خاص طور پر گا کر پڑھتے ہیں اُن کا ذکر نہیں، لیکن جو تحت اللفظ پڑھتے ہیں ان میں بعض طرح طرح سے چشم و ابرو، ہاتھ، گردن اور دوسرے اعضا سے کام لیتے اور بعض اوقات ایسی صورتیں بناتے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ مولانا سیدھے سادے طور سے پڑھتے تھے البتہ موقع کے لحاظ سے اس طرح ادا کرتے ہیں کہ اس سے اثر پیدا ہوتا تھا۔ ایک بار علی گڑھ کالج میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ تھا۔ مولانا کا مزاج کچھ علیل تھا انہوں نے اپنی نظم پڑھنے کے لیے مولوی وحید الدین سلیم صاحب کو دی، جو بلند آواز مقرر اور پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ سلیمؔ صاحب ایک

بند ہی پڑھنے پائے تھے کہ مولانا سے نہ رہا گیا نظم ان کے ہاتھ سے لے لی، اور خود پڑھنی شروع کی، ذرا سی دیر میں ساری مجلس میں کہرام مچ گیا۔''

شیفتہ کی مصاحبت:

حالیؔ کی زندگی میں نواب مصطفی خان شیفتہ کی صحبت غالبؔ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے جیسا کہ انہوں نے خود اپنے قلم سے اپنی کہانی میں لکھا ہے:

''غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت میں بیکاری کی حالت میں گذر گئے تو فکر معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا حسن اتفاق سے نواب مصطفی خاں مرحوم رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے جو فارسی میں حسرتؔی اور اردو میں شیفتہ تخلّص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے شناسائی ہوگئی اور آٹھ سات برس تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ نواب صاحب جس درجہ کے فارسی اور اُردو زبان کے شاعر تھے۔ اس کی بہ نسبت ان کا مذاق شاعری بمراتب بلند تر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا۔ انہوں نے ابتدا میں اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خاں کو دکھایا تھا۔ مگر ان کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورہ سخن کرنے لگے تھے۔ میرے وہاں جانے سے ان کا پرانا شعر و سخن کا شوق جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا تازہ ہو گیا اور ان کی صحبت میں میرا طبعی میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا چمک اٹھا۔ اسی زمانہ میں اُردو اور

فارسی کی اکثر غزلیں نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہیں کے ساتھ میں بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا۔ مگر درحقیقت مرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا۔ وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہؔ اور غالبؔ دونوں متنفر تھے۔ نواب شیفتہؔ کے مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ ایک روز انیس کا ذکر ہورہا تھا۔ انہوں نے انیس کے مرثیہ کا یہ مصرع پڑھا۔

آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے

اور کہا کہ انیسؔ نے ناحق مرثیہ لکھا یہی ایک مصرع بجائے خود ایک مرثیہ کے برابر تھا۔ ان کے خیالات کا اثر مجھ پر بھی پڑنے لگا اور رفتہ رفتہ ایک خاص قسم کا مذاق پیدا ہوگیا۔''

حالیؔ کی تحریر سے شیفتہ سے تعلقات کے علاوہ ان کی شخصیت اور ان کے فن پر بھی روشنی پڑتی ہے اسی راستے سے حالیؔ کو غالبؔ کی منزل ملی اور غالب نے حالیؔ کی شعری اور فکری دنیا میں وہ تبدیلیاں لائیں جو ایک خستہ شاعر کو خالی سے حالی بنا دیا۔ غالب کا مشہور قطعہ جو حالیؔ کی نصیحت کے جواب میں لکھا گیا اس کا مخاطب مصطفی خان شیفتہ ہی ہے۔

تو ای شیفتہ و حسرتی لقب داری
ہمی بہ لطف تو خود را امیدوار کنم

چو حالیؔ از من آشفتہ بی سبب رنجید
تو گر شفیع نگردی بگو چہ کار کنم
دوبارہ عمر دہندم اگر بفرض محال
براں سرم کہ دراں عمر این دو کار کنم
یکی ادائے عبادت عمر پیشینہ
دگر بہ پیش گاہی حالی اعتذار کنم

یعنی تو جو شیفتہ اور حسرتی لقب رکھتا ہے میں صرف تیری محبت اور لطف پر بھروسہ رکھتا ہوں حالیؔ مجھ سے خفا اور بغیر کسی وجہ کے رنجیدہ ہے اگر تو سفارش نہ کرے تو کہہ میں کیا کروں۔ اگر دوبارہ مجھے اس دنیا میں پیدا کیا جائے تو میں صرف دو کام کروں گا ایک گذشتہ عمر کی عبادت جو میں نے نہیں کی اور دوسرے حالیؔ سے معذرت خواہی۔

حالیؔ کی ملاقات شیفتہ سے دلّی میں ہوئی تھی اور پھر حالی جہانگیر آباد میں جو شیفتہ کی جاگیر تھی سات آٹھ سال مقیم رہے۔ صالحہ عابد حسین اور مالک رام نے لکھا ہے کہ شیفتہ نے اپنے چھوٹے بیٹے نقش بند خان کی اتالیقی کے لیے حالیؔ کا استخدام کیا جس کی شدت سے تردید کرتے ہوئے ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں۔ ''مالک رام صاحب نے حالیؔ کے بارے میں شیفتہ کی جو رائے نقل کی ہے مجھے اس کا علم نہیں کہ اس کا ماخذ کیا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مالک رام صاحب کے بیان کی بنیاد حالیؔ سے ان کی عقیدت اور حالیؔ کے خاندان کے لوگوں سے ان کے ذاتی تعلقات ہیں..... مالک رام صاحب اور صالحہ عابد حسین کو یہ محسوس ہوا کہ اگر حالیؔ کو شیفتہ کا مصاحب بتایا جائے تو اردو ادب میں حالیؔ کی قدر و قیمت کم ہو جائے گی حالاں کہ حالیؔ یہ نہیں سوچتے تھے۔ انہوں نے خود کہا ہے کہ وہ شیفتہ کے مصاحب تھے۔ اگر وہ شیفتہ کے چھوٹے بیٹے نقش خان یا ان کے بچوں کے اتالیق ہوتے تو اس کا ذکر ضرور کرتے۔ شیفتہ کا مصاحب

ہونا حالؔی کے لیے نہیں مالک رام اور صالحہ عابد حسین کے لیے شرم کی بات تھی۔''

راقم کی نظر میں مصاحب ہونا یا اتالیق ہونا شخصیت کے علم و فضل اور عمر کی نسبت سے ہوتا ہے۔ حالؔی سات آٹھ سال جہانگیر آباد میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ تھے۔ مصاحبت ان دنوں کچھ شام کے گھنٹوں پر مبنی تھی۔ یہ سچ ہے کہ حالؔی اپنی کہانی میں سات آٹھ جملوں میں شیفتہ کی مصاحبت کی سات آٹھ سالہ مصروفیات کو مکمل اور مستند طور پر بیان نہیں کر سکتے تھے ان دنوں کی گزارشات کو گھر کے افراد ہی بہتر بتا سکیں گے۔ صالحہ نے اپنے والدین سے جو سنا ہے ہم کو اُسے صحیح ماننا پڑے گا جب تک کہ کسی مستند حوالے سے اس کی تردید کی جا سکے۔ حالؔی بچپن سے ہی تعلیم کے شیدا تھے وہ ایک عمدہ معلم بھی تھے اور انہوں نے ساری عمر تعلیم اور علم کے فراہم کرنے میں صرف کر دی یہ تو شیفتہ کے لیے مایہ افتخار ہے کہ حالؔی جیسا عمدہ انسان ان کی صحبت میں رہا اور شیفتہ کے بچوں کے لیے باعث فخر کہ حالی ان کے اتالیق رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیفتہ کی صحبت نے حالؔی کی فکری اور شعری جہتوں کو مہمیز کیا۔ ان کی فکر سے مولویت کم کی اور وسعت نظری سے ہم کنار کیا۔ حالؔی مالی لحاظ سے آسودہ خیال رہے چناں چہ ان کے انتقال کے بعد پھر روزگار کی تلاش میں لاہور میں پناہ لی۔ شیفتہ ہی کے ذریعے غالب کے قریب پہنچے اور غالب کی مصاحبت اور استادی کے فیض سے مستفید ہوئے۔ غدر کے زمانے اور اس کے بعد بھی جہانگیر آباد نسبتاً ایک ایسا مقام تھا جہاں حالؔی اپنے فن اور شخصیت کو سنوار رہے تھے۔ کیا خوب ہوتا کہ حالؔی یادگارِ شیفتہ لکھ دیتے تا کہ ہمیں ان مسئلوں میں الجھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

منظوم کلام:

جدول اشعار حالی

شمارہ	عنوان	تعداد	زبان	ہیئت	تعداد شعر
1	قطعات اُردو	67	اُردو	قطعہ	470
2	رباعیات اُردو	161	اُردو	رباعی	322
3	غزلیات اُردو	123	اُردو	غزل	1261
4	قصاید اُردو	8	اُردو	قصیدہ	326
5	منظومات سپاس مدح دعائیہ اُردو	19	اُردو	قطعہ	320
6	شخصی مراثی اُردو	7	اُردو	متفرق ہیت	381
7	نظمیں اُردو	33	اُردو	قطعہ/مثنوی/متفرق	3295
8	بچوں کی نظمیں اُردو	14	اُردو	متفرق ہیت	367
9	مسدس مع ضمیمہ اُردو	1	اُردو	مسدس	1374
10	قطعات تاریخ اُردو	8	اُردو	قطعہ	38
11	تراجم اُردو	4	اُردو	متفرق ہیت	263
12	متفرقات اُردو		اُردو	متفرق ہیت	103
13	اشعار فارسی		فارسی	متفرق ہیت	687
14	اشعار عربی		عربی	متفرق ہیت	115

تعداد کل اُردو اشعار: 8518

تعداد کل فارسی اشعار: 687

تعداد کل عربی اشعار: 115

تعداد کل اشعار مطبوعہ: 9320

حالی کا پہلا نعتیہ قصیدہ

بنے ہیں مدحت سلطان دو جہاں کے لیے
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

حالی کا یہ پہلا نعتیہ قصیدہ 1864ء اور 1865ء کا لکھا ہوا ہے۔ خود حالی لکھتے ہیں: ''یہ قصیدہ 1281ھ یا 1282ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے نعت میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس کو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا۔''

اس قصیدے کی تسنیف کے وقت حالی کے دونوں استاد غالب اور شیفتہ زندہ تھے۔ اگرچہ مشاعروں میں غزل خوانی، غالب کی شاگردی اور شیفتہ و دیگر افراد کی مصاحبت نے انہیں دلّی اور پانی پت میں مشہور کر دیا تھا لیکن ابھی غالب کے مرثیہ نگار (1869ء) مسدّس مدوجزر کے خالق (1879ء) موضوعاتی نظم مشاعروں کے ناظم (1874ء) مقدمہ شعر و شاعری اور یادگار غالب، حیات سعدی دور حیات جاوید کے ناقد مجدد اور سوانح نگار سے عوام تو کیا خواص بھی واقف نہ تھے۔

حالی کے اس پہلے نعتیہ قصیدے میں تینتیس (33) اشعار ہیں۔ حالی کا یہ

قصیدہ جدید نعتیہ قصیدہ کا رنگ رکھتے ہوئے بھی کلاسیک نعت جو اس زمانے میں رائج تھی قریب نظر آتا ہے۔ اس کے مضامین میں حضور نبی کریم ﷺ کی بشریت اور روحانیت کے علاوہ ماورئ کیفیات اور نورانیات سے روشن ہے۔ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم آپ ﷺ کے کرم رحم حشم اور فہم کے علاوہ آپ ﷺ کے کردار گفتار، آپ ﷺ کی محبت، اخوت، عنایت اور صداقت کا ذکر ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے کردار کی جھلک مصرعوں میں دیکھیے۔

وہ شاہ جس کا محب امن و عافیت میں مدام
محبت اس کی حصار حصیں اماں کے لیے
وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر
کشائشِ گرہِ کینِ دشمناں کے لیے
کہیں ہلاک میں تاخیر قومِ سرکش کے
کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لیے
صفائے قلب حسودانِ کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر بد اندیش و بد گماں کے لیے
بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہ زن کا خطر
ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لیے

نعت میں معراج کا ذکر شعرا نے بہت ہی عمدگی سے کیا ہے۔ حالی کے استاد غالب نے تقریباً تین سو اشعار کا فارسی میں لافانی معراج نامہ تصنیف کیا۔ اس نعت میں حالی کے تین چار شعر معراج پر سنیے:

نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت
حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لیے

ارادہ عرش پہ اک آن میں پہنچنے کا
کیا تھا عزم اولوالعزم نے کہاں کے لیے
کرم کا دیکھیے دامن کہاں تلک ہو فراخ
ہو میزبان خدا جب کہ میہماں کے لیے

کتنا خوب صورت شعر ہے:

زمیں پہ ٹھہرا ہے ماوائے شاہ عرش نشیں
رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لیے

ہم یہاں نسبتاً تفصیل سے کام لے رہے ہیں کیونکہ اس قسم کا نمود کلام حالی کے پاس خال خال ہے۔ مطلع ہی میں حالی نے اپنے وجود کو اور اپنی تخلیق کو مدحت نبی ﷺ کے لیے مختص بتایا ہے۔ اسی لیے مطلع میں کہا:

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لیے
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

استعاروں میں جدت اور خوب صورتی دیکھیے:

وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم
رہا نہ تفرقہ روز و شب زماں کے لیے
وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغباں مشکور
رہی نہ آمد و رفت چمن خزاں کے لیے
ہلال مکے کا، ماہ دو ہفتہ یثرب کا
فروغ قوم کے اور شمع دودماں کے لیے

حالی کی پہلی نعت میں جوش بیان اور شعری آمد میں غضب کا حُسن ہے۔ عربی اور فارسی الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی ابلاغ میں دشواری نہیں، دو شعروں میں قرآن،

جبریل، کعبہ انس و جاں طواف و سجود اور آستاں کی نقش بندی دیکھیے اور نورانی اور سماوی منازل دیکھیے:

گھر اس کا موردِ قرآن و مہبطِ جبریل
در اس کا کعبہ مقصود انس و جاں کے لیے
سپہر گرم طواف اس کی بارگاہ کے گرد
زمین سر بسجود اس کے آستاں کے لیے

اس نعت میں اخلاقِ نبی ﷺ، شفاعتِ نبوی ﷺ معراج اور ولایت نبی ﷺ کے خوبصورت مصرعے پڑھیے جو نعت کے اصلی نکات ہیں:

گہ افتخار مقابل میں اہل نخوت کے
گہ انکسار مدارات میہماں کے لیے
صفائے قلب حسودانِ کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر بد اندیش و بد گماں کے لیے
شفیع خلق سراسر خدا کی رحمت
بشارت امت عاصی و ناتواں کے لیے
شفاعت نبوی ہے وہ برقِ عصیاں سوز
کہ حکم خس ہے جہاں کفر دو جہاں کے لیے
نہ حرف وصوت میں وسعت نہ کام ولب میں سکت
حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لیے
خدا کی ذات کریم اور نبی کا خلق عظیم
محک ہے حُبِّ نبی ﷺ دل کے امتحاں کے لیے

عربی ادق الفاظ اور تراکیب کو مصرعوں میں ایسا کھپا دیتے ہیں کہ وہ بھی رواں

دواں ہو جاتے ہیں۔

کہیں مقدمۃ الجیش انبیا و رسل
کہیں وہ خاتمۃ الباب داستاں کے لیے
مدینہ مرجع و ماوائے اہل مکہ ہوا
مکیں سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لیے
عبور لجۂ عصیاں سے کس طرح ہو اگر
وہ نا خدا نہ ہو اس بحرِ بے کراں کے لیے

حالی کی نعت میں مدحت سرائی کا عجز ہے جس طرح عرفی، غالب اور دیگر شعرا نے کیا ہے اور آخر میں حالی کی تمنا بھی درج ہے۔ غالب نے نجف میں دفنہونے کی آرزو ظاہر کی تھی شاگرد غالب حالی نے جنت البقیع مدینہ کو جنت فردوس پر ترجیح دی ہے۔

اگر نصیب ہو یثرب میں جا کے شربتِ مرگ
پیوں نہ آبِ بقا عمرِ جاوداں کے لیے
اگر بقیع اے میں گز بھر زمیں میسر آئے
کروں نہ طولِ امل روضہ جناں کے لیے

حالی نے نعت نگاری میں اپنے عجز و انکسار کا اظہار کیا ہے۔ اردو ادب کے ہر بڑے چھوٹے نعت گو نے عجز و انکسار کا اظہار کیا ہے جو حالی کی تمام تر زندگی کا لہجہ رہا۔ یقیناً نعت کہنے کے لیے عشقِ نبوی ﷺ ضروری ہے اور اسی سے نعت میں نور، حضور نبی کریم ﷺ کے فضائل، شمائل، خصائل اور سیرت کے مسائل میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔

اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیر استعداد
محک ہے حُبِّ نبی ﷺ دل کے امتحاں کے لیے

حریف نعتِ پیمبر نہیں سخن حالی
کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لیے

اگر مطلع کو مقطع سے ملائیں تو معلوم ہوگا کہ جب سخن زباں کے لیے اور زباں دھان کے لیے بنائے حضور ﷺ کے بنائے گئے ہیں تو پھر....

نبی ﷺ کا نام ہو وردِ زباں رہے جب تک
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے